باب اول:

تعلیم و تدریس میں جسمانی تأدیب کی ضرورت اور حکمتیں

فصل اول: فلسفہ تعلیم اور جسمانی تأدیب

فصل دوم: جسمانی تأدیب سے متعلق اسلامی تعلیمات

فصل سوم: جسمانی تأدیب کی نوعیت اور حکمتیں

فصل اول:

فلسفہ تعلیم اور جسمانی تأدیب

تعلیم کا مفہوم

لفظِ تعلیم اپنی اصل کے اعتبار سے لفظِ علم سے ماخوذ ہے۔ جس کا مادہ بھی "ع،ل،م" ہے۔ جس کا معنٰی ہے کسی چیز کو جاننا یا حقیقت کی گہرائی کا ادراک کرنا۔ اصطلاحاً علم خیر کی قوّتوں کو فعل میں لانے کا عمل ہے۔ خیر و شر کی قوّتیں انسان میں پیدائشی طور پر موجود ہوتی ہیں۔ تعلیم شر کی قوّتوں کو دبا کر خیر کی قوّتوں کو اُجاگر کرتی ہے۔ انسان کو رضائے اِلٰہی کے حصول کے قابل بناتی ہے۔[1]

علم، جہل سے متضاد ہے۔ جیسا کہ مفردات القرآن میں ہے۔

"العلم: ادراک الشیئ بحقیقته"[2]

ترجمہ: کسی شے کی حقیقت کا عرفان علم کہلاتا ہے۔

انگریزی زبان میں لفظِ تعلیم کا مساوی لفظ Education ہے۔ جو لاطینی لفظ "educere" سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنٰی آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق ہے:

"Education is "a process of teaching, training and learning, especially in school or colleges, to improve knowledge and develop skills,"[3]

تعلیم خصوصاً سکولوں اور کالجوں میں سیکھانے، تربیت دینے اور سیکھنے کے عمل کا نام ہے جس سے علم میں اضافہ اور مہارت حاصل ہو۔ اسی طرح انسائیکلوپیڈیا آف ڈکشنریز کے مطابق انسانی ذہن اور مختلف اعضاء کو مہذّب کرنے تربیت یافتہ بنانے یا کرنے کا نام تعلیم ہے۔

اسی تعریف کے مطابق اس کام کا کرنے والا یعنی فاعل معلم (Educator) وہ شخص ہوا جو انسانی جسم کے مختلف اعضاء کی تہذیب اور تربیت کرتا ہے۔ علم اور تعلیم انسان کی ساری زندگی پر محیط ہے۔ اور یہی ایک علم انسان کو حقیقی معنوں میں جانوروں سے ممیز کرتا ہے۔

---

(1)۔ مقبول احمد، علمی اساسیات علم التعلیم (لاہور، علمی کتب خانہ، 2015) ص:5

(2) الاصفہانی، ابو القاسم حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، (مکتبہ نزار مصطفی الباز) باب علم، 1/446

(3). Oxford advanced Learner`s Dictionary, 8th ed. S.V. "Education"

فلسفہ تعلیم

تعلیم ایک وسیع المعنیٰ لفظ ہے۔ تعلیم صرف تدریس کی حد تک مقیّد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا عمل جس کے ذریعے سے قوم آگہی حاصل کرتی ہے۔ یہ عمل ان افراد کے احساس اور شعور کو نکھارتا ہے کہ جو قوم تشکیل دیتے ہیں۔ یہ نئی نسل کی وہ تعلیم و تربیت ہے جو اسے زندگی گزارنے کے تمام راستوں اور طریقوں سے آشنا کرتی ہے۔

تعلیم کے اس فلسفے کے بارے خورشید احمد لکھتے ہیں:

"ایک قوم کی زندگی کا انحصار ہی اس کی تعلیم پر ہوتا ہے۔ تعلیم ان تمام طبعی وحیاتیاتی، اخلاقی و سماجی اثرات کا احاطہ کرتی ہے۔ جو فرد اور قوم کی طرزِ زندگی کی تشکیل کرتے ہیں"[1]

عصرِ حاضر میں فلسفہ تعلیم دو بڑے تصورات میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک مغربی فلسفہ تعلیم ہے۔ جسے جدید فلسفہ تعلیم بھی کہا جاسکتا ہے اور دوسرا اسلام کا نظریہ تعلیم ہے۔ اس وقت اکثر اسلامی ممالک میں اگرچہ مغربی فلسفہ تعلیم ہی نمایا اور اکثریت پر غالب ہے۔ اکثر تعلیمی ادارے اسی فلسفے کے مقاصد کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تا ہم اسلامی ممالک میں اسلامی فلسفی تعلیم کے مطابق بھی بعض ادارے کوشش کر رہے ہیں۔ اسلامی نظریہ تعلیم اور مغربی فلسفہ تعلیم میں من وجہ اختلاف و تضاد ہے لہذا ہم ان دونوں فلسفہ ہائے تعلیم کا جائزہ لیتے ہیں۔

اسلامی فلسفہ تعلیم

اسلامی فلسفہ میں علم و تعلیم بنیادی طور پر معرفتِ الٰہی کا نام ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مہارات کو فنون کہا جاتا ہے۔ اسلامی فلسفہ علم کو "علمِ نافع" اور "علمِ غیر نافع" میں تقسیم کرتا ہے۔ علمِ نافع کے حصول پر زور دیتا ہے جبکہ علمِ غیر نافع بچنے کا حکم دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ))[2]

ترجمہ: اے اللہ میں علمِ غیر نافع سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فلسفہ علم و تعلیم کی بنیاد کو بیان کیا ہے کیونکہ علمِ نافع علمِ صحیح ہوتا ہے۔ جس سے صحیح فکر پیدا ہوتی ہے۔ جس کے ذریعے انسان آفاق و انفس میں اللہ تعالیٰ کی آیات و قدرت کا مشاہدہ کرتا اور اسے پہچانتا ہے۔ انسان اپنی اور دیگر مخلوقات کی زندگی کے اصولوں، مبادی اور ان کی اصابت کو پہچان پاتا ہے۔ انسان تعامل کی خصوصیات اور قواعد کو علمِ نافع کے ذریعے ہی معلوم کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز کی حدود

---

(1)۔ خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات (کراچی یونیورسٹی، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، اشاعت 1993) ص: 421

(2)۔ القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح المسلم (ریاض، دار السلام، اپریل، 2000) باب التعوذ من شر ما عمل و من شر ما لم یعمل، ح: 2722، 4/ 2088

اور اچھے برے میں تمیز اور دونوں میں سے کس کو اختیار کرنا اور کسے ترک کرنا ہے۔ اس کی طرف رہنمائی علمِ نافع کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اسلام کا فلسفہ تعلیم صرف فردِ واحد یا کسی شخص کے ذاتی مفاد تک محدود نہیں ہے بلکہ اسلامی نظریہ تعلیم سماج کی اصلاح کو بھی اتنی اہمیت دیتا ہے کہ جتنی فردِ واحد کی اصلاح ہے۔ اس لیے اسلام نے علم کو دعوت کے ساتھ مربوط کیا ہے اور علم کی اشاعت کا حکم دیا ہے کہ علم عام ہونے سے جہالت ختم یا کم ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فلسفہ تعلیم کے اس گوشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً))[1]

ترجمہ: مجھ سے اگر ایک آیت بھی سیکھو اسے آگے پہنچاؤ۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے علم کو وسیع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ بھی یہ ہے کہ علم سے فردِ واحد کی اصلاح مقصود نہیں ہے اگر ایک شخص نے علم حاصل کر لیا ہے تو اس کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ اسے آگے سماج میں پھیلائے اور اس تبلیغ کرے تاکہ علم کو اپنی ذات تک محدود کرے۔ فنون کے بارے میں بھی اسلام کا یہ ہی نظریہ ہے کہ مغیر فنون کو بھی معاشرے میں ترویج دی جائے تاکہ اس کے اہل لوگ اس سے فائدہ حاصل کر کے معاشرے کی خدمت کر سکیں۔ اسلام کے فلسفہ تعلیم میں معاشرے کی اصلاح اور سماج کی بہتری اہم مقاصد میں سے ہے۔

اسلامی فلسفہ تعلیم صرف مادہ پرستی کی نفی کرتا ہے اور نظامِ تعلیم کو اس نہج پر چلاتا ہے کہ انسانوں میں دنیاوی اور مادی ترقی کے ساتھ ساتھ آخرت کی جوابدہی کا احساس بھی ہمہ وقت موجود اور تازہ رہے۔ اسلامی نظریہ تعلیم آخروی جوابدہی اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کو دنیاوی ترقی اور مادی برتری سے اہم اور مقدم رکھتا ہے۔ علم کے مقاصد میں سے اہم مقصد اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی قدرت پر کامل ایمان و یقین پیدا کرنا ہے۔ اسی بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾[2]

ترجمہ: بے شک اللہ کا حقیقی خوف علم والے ہی رکھتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح انداز میں فلسفہ علم و تعلیم کو آخرت کی جوابدہی کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرمان میں یہ بھی واضح انداز میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی کامل قدرت پر یقین

---

(1)۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، ح:3461، 4/ 170

(2)۔ الفاطر:28

اسے ہی ہو سکتا ہے کہ جس کے پاس علم ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فلسفہ تعلیم ایسا نظامِ تعلیم اور ایسا نظامِ تعلیم کا خواہاں کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اصل قوت کا سر چشمہ اسی کو ماننے کی تعلیم ہو۔ اسی طرح اس سارے فلسفے پر عمل کرنے والوں کی رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کی جماعت کی طرف نسبت فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ))[1]

ترجمہ: علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔

رسول اللہ نے اس حدیث مبارکہ میں علماء کو اس چیز کا وارث یعنی ذمہ دار بتایا ہے کہ جو انبیاء چھوڑ کر جاتے ہیں۔ انبیاء وراثت میں درھم و دینار نہیں چھوڑتے بلکہ علم چھوڑ کر جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذمہ داری اپنے بعد علماء کی لگائی ہے۔ اور رسول اللہ کی ذمہ داری کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾[2]

ترجمہ: (وہ رسول) اللہ کی آیات ان کو سیکھاتا اور ان کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی جو ذمہ داری بیان کی ہے۔ آپ ﷺ نے وہ ذمہ داری اپنے بعد مسلمان معلمین کو دی ہے اور یہ ہی اسلامی فلسفہ تعلیم کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا کہ تعلیم کے ذریعے تزکیہ نفس، دعوت الی الخیر، سماج کی اصلاح، عدل و احسان اور دعوت و ارشاد کا کام کریں۔ آپ ﷺ کے بعد ایک حقیقی معلم کی یہ سب ذمہ داریاں ہیں کہ وہ اپنی تعلیم کے ذریعے ان مقاصد کو حاصل کرے۔

جدید فلسفہ تعلیم

جدید فلسفہ تعلیم اور اسلامی فلسفہ تعلیم میں اصل اور بنیادی فرق یہ ہے کہ جدید فلسفہ تعلیم میں اچھا تعلیم یافتہ اور مثالی شخص وہ ہے کہ جو اپنے علم و قوت کے ذریعے مادی برتری حاصل کر لے۔ جدید فلسفہ تعلیم میں عقیدے کی اصلاح و درستی، انسانی سلوک، انسانی اقدار و روایات کا پاس رکھنا اور صحیح اخلاقیات کی تعلیم شامل نہیں ہے۔ یہ مذکورہ اوصاف اگر کسی فلسفہ تعلیم میں شامل نہ ہو وہ کسی بھی طور پر انسانوں پائیدار نہیں ہو سکتی اور نہ انسان کو دونوں جہانوں میں کامیابی دلوا سکتی ہے۔ جدید فلسفہ تعلیم کے بارے سید محمد واضح رشید ندوی لکھتے ہیں:

---

(1)۔ سجستانی، سنن ابی داؤد، باب الحث علی طلب العلم، ح:3641، 3/317

(2)۔ الجمعۃ:2

"مغربی فلسفہ تعلیم میں اعلیٰ زندگی کا تصور یہ ہے کہ طاقت و قوت کے وسائل اور خوشحالی و کو فارغ البالی کے مواقع میسر ہو جائیں اور بشری تقاضوں اور انسانی ضروریات کی تکمیل کی انسان کے اندر قدرت و صلاحیت پیدا ہو جائے"[1]

جدید فلسفہ تعلیم میں تعلیمی تصور کو صرف مادہ پرستی تک محدود کر دیا گیا ہے اور وہ شخص اصل کامیاب کہلاتا ہے کہ جو تعلیم کے ذریعے مادیت میں برتری حاصل کر لے اگرچہ اخلاقی درجات میں وہ پستی پر ہی کیوں نہ ہو۔

جدید فلسفہ تعلیم میں، تعلیم کو صرف ذاتِ واحد تک محدود کر دیا گیا ہے۔ تعلیم کا فلسفہ بھی سرمایہ داری سے متأثر ہو گیا یا بعض تعلیمی نظریات مکمل طور پر سرمایہ دارانہ نظام سے ماخوذ ہیں۔ اس فلسفہ تعلیم میں تعلیم کے ذریعے فرد کی خوشحالی اور اس کی دنیاوی امتیاز کو اصل قرار دیا گیا ہے۔ اجتماعیت اور معاشرے سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ فرد اپنے علم اور فن کو استعمال کر کے معاشرے کے لیے نقصاندہ ہو رہا ہے یا نہیں بلکہ اسے مکمل آزادی ہے۔ مولانا سید واضح لکھتے ہیں:

"یورپین تعلیمی و تربیتی تصور صرف انسان کی ذات تک محدود ہے، اسے انسانی معاشرے کی چنداں فکر نہیں، اور نہ ہی مشترک انسانی حقوق اور معاشرتی و باہمی معاملات سے کوئی سروکار و دلچسپی، بلکہ یورپین تصورِ تعلیم میں انسان اپنی خواہشات و مرضیات کی تکمیل کے لیے وسائل کے اختیار میں آزاد ہے"[2]

اسی طرح جدید فلسفہ تعلیم میں اخلاقیات کی تعلیم کے ذریعے بچوں کے رجحانات کو تبدیل کرنے کے بجائے بچوں کے رجحانات کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ مغربی مفکرین علمِ اخلاقیات اور اخلاقی تربیت کو تعلیم سے جدا کرتے ہیں۔ جس سے بچے بعض اوقات اپنے والدین کے کنٹرول سے بھی نکل جاتے ہیں بلکہ والدین کو قانونی طور پر کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کسی اخلاقی قدر کی پابندی کرنے پر مجبور کریں۔ تعلیم ہی انسان اور حیوان میں بنیادی امتیاز ہے اور تعلیم سے اگر مقصود صرف اور صرف مادے کا حصول ہو تو پھر اس میں رشتے اور تعلقات باقی نہیں رہ سکتے تعلیم و تدریس کے دوران بچے کو اس قدر حد سے بڑھتی ہوئی آزادی دنیا ہی اس کی تربیت میں نقص کی دلیل ہے۔ مولانا واضح رشید جدید فلسفہ تعلیم میں بچے کی آزادی کے بارے لکھتے ہیں:

"بچہ کو اپنے انسانی تقاضوں اور بشری خواہشات کی تکمیل کے وسائل کے اختیار میں آزاد چھوڑ دینا چاہیے اور وہ جس طرح چاہے اپنی خواہشات کی تکمیل کرے۔ اسے کسی اخلاقی ضابطے یا قانون کا پابند نہ کیا جائے"[3]

---

(1)۔ ندوی، سید محمد واضح رشید، نظامِ تعلیم و تربیت (لکھنو، دار الرشید، 2013) ص:69

(2)۔ ایضاً: ص:69

(3)۔ ایضاً: ص:70

جدید فلسفہ تعلیم کی اس کمزوری کی وجہ سے معاشرے میں باہمی مقابلہ بازی، استحصال، مفاد پرستی، اخلاقی بے راہ روی اور غرور و تکبر جیسی بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ عصرِ حاضر میں تعلیم یافتہ لوگوں میں اخلاقی برائیاں اور فکری انحراف پایا جاتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ فلسفہ تعلیم کو غلط مرتب کیا گیا۔ تعلیم کے مقصد کو ناقص پیش کیا گیا۔ تعلیمی اور تربیتی کرداروں کی غلط تشریح و وضاحت کی گئی۔ اسلامی ممالک میں الحاد سب سے زیادہ تعلیمی یافتہ لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی بھی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں اکثر کا نظامِ تعلیم جدید فلسفہ تعلیم سے شدید متأثر ہے اور اس راہ میں آگے کی طرف گامزن ہے۔

نظامِ تعلیم

تعلیم اپنے مقصد اور اہداف کو اسی وقت کماحقہ پورا کرتا ہے کہ جب وہ مربوط نظام کے تحت ہو، مقاصد واضح ہوں اور اس کے حصول کے لئے منظّم اور متعاون جدوجہد ہو۔ پروفیسر محمد امیر لکھتے ہیں:

"نظامِ تعلیم ایک کلی وحدت کا نام ہے۔ جس کے تمام عناصر اور اجزاء باہم مربوط، منظّم، مرتّب، متعامل اور متعاون ہوتے ہیں جن کی روح ایک ہوتی ہے۔ اور وہ سب عناصر مشترک مقاصد تعلیم کے حصول کے لئے باہم متّحد ہوتے ہیں"[1]

نظام تعلیم کے اجزاء یہ ہیں:

استاد: تہذیب و ثقافت کے ترجمان

طالب علم: نئی نسل کے افراد / شاگرد / متعلّم

نصاب: تہذیب و ثقافت کی ترسیل کا ذریعہ و پراگرام

انتظام: دیکھ بال کا نظام

امتحان: مدارج تعلیم کا جائزہ اور ترسیل کی جانچ پڑتال

نظامِ تعلیم، پیداوار کی نظام کی طرح ہے۔ جس طرح کسی نظامِ پیداوار میں کسی خام مال کو کسی خاص عمل یا کئی عملوں گزار کر مطلوبہ خصوصیات کی حامل اشیاء حاصل کی جاتی ہیں۔ اسی طرح نئی نسل کے خام افراد کو اس نظام سے گزار کر مطلوبہ کردار و اخلاق کے حامل افراد حاصل کر لئے جاتے ہیں۔ جس طرح نظامِ پیداوار میں کام کرنے والے کی محنت، لگن، اخلاص اور تربیت کا پیدا ہونے والی اشیاء کے اچھے یا برے معیار سے بنیادی تعلق ہے۔ بالکل اسی طرح استاد کا کردار اور اس کی تربیت بھی زیر تربیت طالب علموں کے کردار اور ان کی اخلاقی رویّوں کو براہِ راست متاثر کرتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ استاد نصاب سے بھی بڑھ کر اہمیت کا حامل ہے۔

---

(1)۔ ملک، پروفیسر محمد امیر، نظام تعلیم کی اسلامائزیشن، ایک نعرہ یا حقیقت، پاکستان کا نظامِ تعلیم (لاہور، ادارہ تعلیمی تحقیق، 2000) 1/8

اسلامی نظامِ تعلیم

اسلامی نظامِ تعلیم کے بارے عبد الرشید ارشد کہتے ہیں:

"تعلیم کے عناصر کا ایسا مجموعہ جو باہم مربوط ہو کر اسلامی مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں ہوں اور ہم آہنگ ہو کر ایک واحدہ کی حیثیت اختیار کر لیں تو ان عناصر کا مجموعہ اسلامی نظامِ تعلیم کہلائے گا"[1]

اسلامی نظامِ تعلیم صرف مذہبی کتابیں پڑھنے اور سیکھنے تک محدود نہیں ہے۔ یہ پورے نظام کی ایک شاخ ہے۔ مجموعی طور پر اس سے مراد ایسا نظام ہے جس میں تعلیم کے حصول کے بعد مسلمان خاص مہارت اور قابلیت حاصل کرتا ہے۔ اور اپنے لئے باعزّت پیشہ اختیار کرتا ہے، بحیثیت مسلمان اپنے فرائض سر انجام دیتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر ایم۔ اے عزیز رقم پرداز ہیں:

"اسلامی نظامِ تعلیم سے مراد ایک ایسا نظامِ تعلیم ہے جس میں ایک مسلمان بچہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے خاص علم و فن میں مہارت اور قابلیت حاصل کرنے کے ساتھ ایک اچھا انسان بنے، جس کا قلب ایمان اور تقویٰ سے سرشار ہو، ضروری عقائد سے واقف ہو۔۔۔۔ زندگی کے جس شعبے سے اس کا تعلق ہو، بحیثیت مسلمان اپنا فرض سر انجام دے۔ اس لئے کہ اسلام نے زندگی کے ہر شعبے کے متعلق کچھ احکام و آداب بیان کئے ہیں"[2]

اسلامی نظامِ تعلیم دنیا میں امن و سلامتی اور معاشرے کے تحفظ اور استحکام کا ضامن ہے۔ اس نظام سے حاصل ہونے والے افراد کی بدولت معاشرے کے دیگر افراد بھی سکون اور اطمینان کی زندگی گزارتے ہیں۔ اور آخرت میں بھی فوز و فلاح حاصل ہوتی ہے۔ آخرت کی فوز و فلاح کے ذریعے انسان جہنم کی سختیوں سے بچ کر ہمیشہ کیلئے جنت کی نعمتوں کو حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی اس نظام سے دونوں جہاں درست اور کامیاب بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر ایم۔ اے عزیز لکھتے ہیں:

"وہ نظامِ تعلیم جس کے زریعے ان تمام امور اور آشیاء سے آگاہی اور واقفیت حاصل ہوتی ہے جس کا انسان کی اخروی اور دنیوی فوز و فلاح سے تعلق ہو، اس فوز و فلاح سے جو اسلام چاہتا ہے"[3]

---

(1)۔ ارشد، عبد الرشید، پاکستان میں تعلیم کا ارتقاء (لاہور، ادارہ تعلیمی تحقیق، 1995) ص:16

(2)۔ عزیز، ڈاکٹر ایم۔ اے، تعلیم اور معاشرتی تبدیلی (ملتان، کاروان ادب، 1983) ص:273

(3)۔ ایضاً ص:272

تعلیم اور مذہب کا تعلق

دین، مذہب اور تعلیم کا آپس میں تعلق لازم اور ملزوم ہے۔ اگر تعلیم و تعلّم نہ ہو تو دین اور دینی تعلیمات کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر تعلیم ہو لیکن دین نہ ہو تو وہ بھی انسان کے لئے حقیقی سکون اور سچی کامیابی کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسان نے اپنے سفر کا آغاز جہالت اور تاریکی سے نہیں علم و عرفان سے کیا ہے۔ تخلیق آدم کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو سب سے پہلے جس چیز سے سرفراز فرمایا وہ علم و عرفان کی ہی نعمت تھی جس نے آدم کو دیگر مخلوقات پر فضیلت دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ﴾ (1)

ترجمہ: اور اس (اللہ تعالیٰ) نے آدمؑ کو سارے ناموں کا علم دے دیا پھر اسے فرشتوں پر پیش کیا

یہ ہی وجہ ہے کہ اسلام علم کو اوّلین ضرورت قرار دیتا ہے اور اسی علم کی وجہ پہلے انسان فرشتوں کے بھی مسجود بنے۔

دیگر ادیانِ عالم میں تصوّرِ تعلیم

اسلام کے علاوہ دیگر ہم عصر اور قبل کے ادیان میں بھی تعلیم و تعلّم کا تصوّر کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔ ان مذاہب میں تعلیم حاصل کرنا ایک ابدی اور لازم امر ہے۔

زرتشت ازم میں تصوّرِ تعلیم

زرتشت مذہب میں بھی تعلیم دینے اور حاصل کرنے کے آثار ملتے ہیں۔ جیسا کہ زرتشت خود اپنے پیروکاروں کو خیالات و افکار کی پاکیزگی کا درس دیا کرتے تھے زرتشت کہتے تھے:

"اگر انسان کے افکار میں پاکیزگی اور صفائی آجائے تو اعمال میں درستی خود بخود آجاتی ہے۔"(2)

بدھ مت میں تعلیم

ہندومت کی جکڑبندیوں سے اکثر لوگ اسی وجہ سے اپنی جان چھڑوا کر بدھ مت میں داخل ہوئے کہ اس مذہب میں بلا تفریق رنگ و نسل اور ذات کے حصولِ علم کی اجازت سب کیلئے یکساں تھی۔ بدھ مت میں معاشرتی درجہ بندی اور طبقاتی نظام نہ تھا۔ آسانی اور نرمی تھی۔ شودر اور کھشتریوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنے آپ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے اس مذہب کو قبول کیا اور گوتم بدھ کی تصدیق کی۔

---

(1)۔ البقرۃ:31

(2)۔ لیوس مور، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا (لاہور، المطبعۃ العربیۃ، 2005) ص:84

محمد نواز چوہدری لکھتے ہیں:

"اسی طرح گوتم بدھ کی زندگی میں بھی سادہ تعلیمی نظام موجود تھا۔ جس کی خود گوتم بدھ سرپرستی کرتے اوراپنے ماننے والوں کو پند و نصائح کرتے رہتے"[1]

ہندومت میں تصوّرِ تعلیم

ہندو معاشرہ ذات پات کی جکڑ بندیوں میں منقسم تھا۔ اپنے بچوں کو سنسکرت میں مذہبی اور دیگر علوم کی تعلیم دی جاتی جبکہ نچلی ذات کے لوگوں تعلیم و تعلّم سے دور رکھا جاتا ہے۔ اور ان پر حصولِ علم کے تمام دروازے و ذرائع بند تھے۔ برہمن ہندو تو باقاعدہ تعلیم پاتے لیکن شودر لوگ چھپ چھپا کر علم حاصل کرتے تھے۔ ہندومت میں شودر کی تعلیم کے بارے محمد نواز چوہدری لکھتے ہیں:

"اگر وہ (شودر) غلطی سے وید کا کلام سن لیتے تو ان کے کانوں میں سیسہ پگلا کر ڈالا جاتا۔ لیکن پھر بھی ان کی کوشش ہوتی تھی کہ کہیں نہ کہیں چھپ چھپا کر سنسکرت اور مذہبی تعلیم ضرور حاصل کرلی جائے۔"[2]

کنفیوشس ازم میں تعلیم

کنفیوشس ازم میں بھی باقاعدہ تعلیم و تربیت کا تصّور موجود تھا۔ بلکہ کنفیوشس معاشرے کی اصلاح، فساد کے خاتمے اور لوگوں سے اپنے اپنے فرائض و حقوق ادا کرنے کا مطالبہ کرتا تھا۔ وہ یہ ایسے مطالبات ہیں کہ تعلیم و تربیت کی ایک خاص مشق و تمرین کے بغیر ان کا حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ انسانوں کو تعلیم کے ذریعے سے ہی ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا جاتا ہے اور تربیت کے ذریعے معاشرے سے فتنہ و فساد ختم کر کے اصلاح کی جاتی ہے۔

"کنفیوشس اپنے ماننے والوں تعلیم دیا کرتا تھا کہ اپنے اپنے حقوق و فرائض خلوص سے ادا کرنا معاشرے میں بگاڑ اور فساد کو ختم کرتا ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو یہ بھی بتاتا کہ بنیادی انقلاب اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک ہر کوئی اپنے مقام و مرتبے کا پاس ولحاظ نہ رکھے۔"[3]

اسلام سے قبل عرب میں تعلیم

رسول اللہ ﷺ کی آمد باسعادت سے قبل اگرچہ عرب میں تعلیم و تربیت کیلئے باقاعدہ ادارے اور شعبے موجود نہ تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں انفرادی طور پر تعلیم و تعلّم کا تصّور اس وقت کے دیگر

---

(1)۔ چوہدری، محمد نواز، مذاہب عالم (اردو بازار لاہور، پولیمر پبلیکیشنز، 2006) ص:177

(2)۔ ایضاً ص:173

(3)۔ ایضاً ص:211

ادیان و مذاہب کے مقابلے میں زیادہ پختہ اور عام تھا۔ تعلیم اور تدریس ایک عام اور معروف عمل ہونے کی وجہ سے قبل از اسلام ہی بڑے بڑے شعراء، انساب کے ماہرین، حساب اور دیگر فنوں کے ماہرین عرب میں موجود تھے۔

علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں:

"جفینہ العبادی ایک نصرانی عالم تھا وہ حیرہ سے مدینہ منورہ میں کتابت کی تعلیم دینے آیا تھا۔ عربی کے مشہور شاعر المرقّش الاکبر [1] کے والد نے مرقّش اور اس کے برادر اکبر حرملہ کو حیرہ کے ایک نصرانی کے حوالے کیا تا کہ وہ ان دونوں کو لکھنا پڑھنا سیکھادے۔"[2]

کسی بھی معاشرے اور تہذیب میں کسی فن کی بلندی کا اندازہ اس فن کے آلات و استعمالات کی کثرت سے لگایا جاتا ہے۔ اسی طرح علمی بلندی کا اندازہ اس کی لغت اور ادب سے لگایا جاتا ہے۔ عرب لغت میں ایسے کثیر التعداد الفاظ ہیں جو تعلیمی سرگرمیوں اور اس میں استعمال ہونے والے آلات کے بارے خبر دیتے ہیں۔ جیسا کہ لفظِ علم، صحف، مِداد، قلم، قرطاس، لوح، دوات، مجلہ، کتاب وغیرہ۔ ان میں سے اکثر الفاظ خود قرآنِ مجید میں مستعمل ہیں۔ ان الفاظ کا قرآن مجید میں استعمال ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ قرآن کے نزول سے پہلے عرب ان الفاظ سے مانوس تھے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ قرآنِ مجید میں ایسے الفاظ آئیں کہ جن سے اہل عرب واقف نہ ہوں۔

قرآنِ کریم میں ایسے الفاظ بھی ہیں کہ جو اصلاً قبطی، سریانی اور فارسی ہیں لیکن معرب ہو کر عرب میں داخل ہوئے اور پھر قرآن مجید میں استعمال ہوئے۔ جیسا کہ لفظِ قلم کے نام سے قرآن پاک کی ایک سورۃ بھی ہے۔ جس کا پہلا لفظ بھی قلم ہی ہے:

﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ [3]

ترجمہ: قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں ان کی بھی۔

عرب کے ایسے قدیم شعراء کہ جن کا تعلق مختلف ادیان سے ہے انھوں نے بھی خط و کتابت سے متعلق الفاظ کو کثرت سے استعمال کیا۔ امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے:

"قوم لهم ساعة العراق اذا ساروا جميعا والخط والقلم" [4]

ترجمہ: وہ ایسی قوم ہے کہ وسعت ان کی عراق جیسی ہے جب وہ اپس میں مل کر چلتے ہیں تو خط و قلم بھی ان کے ساتھ چلتے ہیں۔

---

(1)۔ عمرو بن سعد بن مالک عصرِ جاہلی کا شاعر تھا۔ یمن میں پیدا ہوا اور عراق میں پروان چڑھا۔ اپنے شعری مجموعے کی وجہ سے مرقّش کہلایا۔

(2) ۔ ابن خلدون، عبد الرحمن ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون (اردو بازار لاہور کراچی، نفیس اکیڈمی، دسمبر 2001، طبع یازدہم) ص:235

(3)۔ القلم:1

(4)۔ آلوسی، محمود، بلوغ الارب (مرکزی اردو بورڈ۔36جی، گلبرگ لاہور) 3/185

امیّہ بن ابی الصلت[1] کے علاوہ لبید،[2] عدی بن زید العبادی[3] اور المرقّش نے بھی علم و تعلیم سے متعلق الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ اسی طرح عہدِ جاہلیت کے مفقود کتبات دریافت ہوئے ہیں جن پر عربی عبارتیں درج ہیں۔ علامہ جواد علی رقم پرداز ہیں:

"جزیرہ عرب کے جنوبی اور مغربی حصّوں سے عربی زبان میں لکھے ہزاروں کتبات ملے ہیں۔ جو دورِ جاہلیت میں لکھے گئے تھے۔ یہ کتبات عربی کے مختلف لہجوں میں ہیں۔ اکثر کتبات نثر اور قرآنی لغت میں ہیں"[4]

لفظ "قرأ" بھی جاہلیت میں عام مستعمل تھا۔ اور وحی کا بھی پہلا لفظ اسی باب سے ہے۔ اس سے قاری اور مقری ہیں۔ یہ معروف ہے کہ امیّہ بن ابی الصلت نے سب سے پہلے خطوط کے شروع میں "باسمک اللھم" لکھنا شروع کیا اور بعد میں یہ پورے عرب میں عام رواج بن گیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ بھی ابتداء میں خطوط کے آغاز میں "باسمک اللھم" ہی لکھتے تھے۔ امام جصاصؒ کہتے ہیں:

((أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَ فِي أَوَائِلِ الْكُتُبِ: بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ، حَتَّى نَزَلَ {بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا} [هود] فَكَتَبَ: بِسْمِ اللَّهِ، ثُمَّ نَزَلَ قَوْله تَعَالَى: {قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ} [الإسراء] فَكَتَبَ فَوْقَهُ: الرَّحْمَنَ، إنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكْتُبْ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرحيم حَتَّى نَزَلَتْ سُورَةُ النَّمْل))[5]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ابتداء میں خطوط "باسمک اللّٰھم" سے شروع کرتے۔ سورۃِ ھود کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے "باسم اللہ" لکھنا شروع کیا۔ جب بنی اسرائیل نازل ہوئی تو "الرحمان" کا اضافہ کیا۔ اور جب سورۃِ نمل نازل ہوئی تو "الرّحیم" کا بھی اضافہ کر دیا۔

اس بحث و شواہد سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مسعود سے پہلے بھی عرب اور دیگر ادیانِ سماوی اور غیر سماوی میں تعلیم و تعلّم کا تصور کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا۔ جس کے نظام و انتظام، نصاب، مقاصد و

---

(1)۔ ابو الحکم جاہلی دور کا شاعر اور بنو ثقیف کا سردار تھا اسلام سے قبل حنفیت اور توحید میں معروف تھا۔ طائف میں پیدا ہوا اور وہی وفات پائی۔

(2)۔ ابو عقیل لبید بن ربیعہ قبیلہ ہوازن میں 560 میلادی کو پیدا ہوا اور 661 کو وفات پائی اسلام قبول کیا تمام اشعار زمانہ جاہلیت میں کہے اسلام قبول کرنے کے بعد صرف ایک شعر کہا۔

(3)۔ حیرہ کے رہنے والے نصرانی شاعر تھے۔ دھاۃ الجاہلیۃ میں شمار تھے۔ عربی زبان میں پہلا دیوان انھوں نے لکھا ملک شام کے سفر بھی کئے زیادہ وقت مدائن میں گزارا۔

(4)۔ علی، جواد، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (بغداد، مکتبہ النہضہ، الطبعۃ الاولیٰ، 1971) 8/249

(5)۔ الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الراضی، احکام القرآن (مصر، المطبعۃ البہیۃ، 1347ھ) 1/6

اہداف، ترسیل کے طریقے اور مناہج میں اسلام نے ضروری تبدیلیاں کیں تاکہ تعلیم سے حقیقی معنوں میں دنیوی اور اخروی دونوں کی فلاح و بہبود حاصل ہو۔

سزا کا مفہوم

"سزا کا معنٰی بدی کا بدلہ، پاداش، سرزنش کے ہیں"[1] "اس کا معنٰی جزائے بدی بھی ہے"[2] "سزا کو عربی زبان میں عقوبۃ کہا جاتا ہے۔ جس کی جمع عقوبات آتی ہے۔ جس کا معنٰی الجزاء بالشر کیا جاتا ہے"[3]

ابن منظور لکھتے ہیں :

"العقاب والمعاقبةان تجری الرجل بمافعل سوء"[4]

ترجمہ: آدمی کو اسکے برے کام کا بدلہ دینا عقاب اور معاقبت ہے۔

البتہ علامہ راغب الاصفہانی نے اس عقوبۃ کو عذاب کے ساتھ خاص کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"عقاب "عقوبۃ اور معاقبۃ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَحَقَّ عِقَابِ﴾[5]

ترجمہ: تو میرا عذاب ان پر واقع ہو گیا۔

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾[6]

ترجمہ: اگر تم بدلہ لینے چاہتا ہو تو اتنا لو کہ کہ جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہے۔

اس طرح عقاب کے معانی میں سے پیچھے ہو لینے کے بھی ہیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

"عقب الثانی الاول "دوسرا پہلے کے پیچھے ہو رہا۔ اور "عقب اللیل "رات دن کے پیچھے آئی۔

اس اعتبار سے عقاب وہ سزا ہوئی جو جرم کے پیچھے دی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کا ترجمہ پاداش جرم کرنا چاہیے۔[7]

ابن فارس سزا کے بارے میں کہتے ہیں:

---

(1)۔ الحاج، مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (لاہور، اردو مکتبہ فیروز سنز) ص:799

(2)۔ سیّد احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ (لاہور، اردو سائنس بورڈ، 1995) 3/77

(3)۔ جبران مسعود، الرائد (بیروت، دار العلم للملایین، 1986) 2/104

(4)۔ ابن منظور، لسان العرب (بیروت، دار احیاء التراث العربی، 1988) 9/305

(5)۔ ص:14

(6)۔ النحل:126

(7)۔ مولانا محمد عبد الرشید نعمانی، لغات القرآن (دہلی، ندوۃ المصنفین،) 4/332

"وعاقبت الرجل من العقوبة،والباب كله يرجع الى اصل واحد هو: ان الشيءيعقب الشيء"[1]

ترجمہ: عاقبت الرجل من العقوبۃ، اس باب کے مادے کی ایک ہی اصل ہے کہ ایک چیز کا دوسری چیز کے بعد آنا۔

ان تمام تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ سزا یا عقوبۃ ایسی چیز ہے جو کسی غلطی کے بعد ہو۔ پہلے بچہ یا بڑا ایسے اقوال و افعال سرانجام دیتا ہے کہ جس سے وہ اپنے آپ کو ان اقوال و افعال کے نتائج کا حقدار یا ذمہ دار بنا لیتا ہے۔ لہذا پہلے غیر شرعی یا غیر قانونی اعمال سرانجام دئے جاتے ہے پھر اس کے بعد اس کے نتائج کو برداشت کیا جاتا ہے۔

سزا کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں سزا سے مراد وہ تکلیف ہے جو کسی شخص کو کسی جرم کے بعد دی جائے۔ اس لئے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اگر انہوں نے ہمارے مردوں کا مثلہ کیا ہے تو ہم ان کے زندہ لوگوں کا مثلہ کریں گے۔ تو اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾[2]

ترجمہ: اگر تم بدلہ لینا چاہو تو صرف اتنا لو کہ جتنا تم پر زیادتی کی گئی ہے۔

امام الماوردی سزا کے بارے میں لکھتے ہیں:

"زواجر وضعها الله تعالى للردع عن ارتكاب ما حظر،وترك ما امر به"[3]

ترجمہ: تنبیہ کی ایسی صورتیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے تاکہ حرام کاموں سے بچا جائے اور جن کا حکم دیا گیا ہے اسے ترک نا کر کیا جائے۔

قانون میں سزا (punishment) کی تعریف حسب ذیل کی گئی ہے۔

"Penalty inflicted on an offender after finding of the guilty "[4]

اس طرح سزا کی اصطلاحی تعریف کی ضمن میں حنیف چوہدری لکھتے ہیں:

" وہ تکلیف یا بدلہ جو کسی جرم کے نتیجے میں اور ثابت ہونے پر عدالت مجرم کو دیتی ہے "[5]

---

(1)۔ ابن فارس، مجمل اللغۃ، دراسۃ و تحقیق: زہیر عبد المحسن سلطان (بیروت، موسۃ الرسالۃ) 3/620

(2)۔ النحل:126

(3)۔ الماوردی، احکام السلطنیۃ، فصل فی ثبوت الجرائم، ص:299

(4).M. Anwar Gulam, legal Dictionary with law Terms and phrases Lahore P:239

(5)۔ حنیف چوہدری، انسائیکلوپیڈیا قانونی ڈکشنری (لاہور، شان بک کارپوریشن) ص:300

حاصل بحث یہ ہے کہ سزا ایک ایسا عمل ہے کہ جو کسی شخص کو غیر شرعی یا غیر قانونی کام کرنے سے روک دیتا ہے۔ اور اگر وہ کام اس سے سرزد ہو جائے تو اس سزا کی صورت میں تنبیہ ہو جاتی ہے اور دوبارہ اس کام سے باز رہتا ہے۔ سزا سے تنبیہ کے لئے یہ ضروری بھی نہیں ہے کہ انسان کسی دوسرے کو سزا پاتے دیکھ کر ہی عبرت حاصل کرے۔ بلکہ جب کسی سزا کی مشروعیت ثابت ہو جائے کہ فلاں جرم کرنے کی صورت میں فلاں سزا ہو گی تو اس سے بھی انسان مجرم بننے اور جرم کرنے سے باز رہتا ہے۔ اور یہ ہی سزاؤں کے اجرا کا اصل ہدف و مقصود بھی ہے۔

سزا کی تاریخ

انسانی تاریخ میں سزا اور جزا کا تصّور اتنا ہی قدیم ہے کہ جتنا خود انسان کا تصّور قدیم ہے بلکہ اس دنیا کا پہلا انسان اپنی ایک غلطی کی پاداش میں ہی اس دنیا پر آیا جس سے آج انسانیت اس دنیا میں آباد ہوئی۔ جب انسانوں کی تعداد زیادہ ہوتی گئی تو قوم و قبیلہ اور علاقہ بنا جو وقت کے گزران کے ساتھ ساتھ اقوام و قبائل، علاقے، شہر و دیہات بنے اور بڑی بڑی سلطنتیں وجود میں آگئیں، لوگ سردار بنے، حکمرانی کا تصّور آیا، مصلحین پیدا ہوئے، حکماء و اطباء، اساتذہ ور ہنمانے انسانوں کو راہ مستقیم کی طرف بلایا۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو ارسال کیا۔ اس طرح انسانوں کو اپنے اپنے علاقے کے دستور و روایت کے مطابق چلانے کے لئے قوانین بنے۔ بعض لوگ اللہ کے بنائے قوانین کے پیرو کار ہو گئے اور بعض لوگ خود انسانوں کے وضع کردہ قوانین کی پاسداری کرنے لگے۔ لیکن سب اپنے طور پہ یہی کہتے تھے کہ اس سب سے حاصل انسانیت کی اصلاح ہے۔ انھی قوانین اور انسانوں کی اصلاح کے طریقوں میں سے ایک طریقہ سزا اور جزا کا بھی تھا۔ جو کہ مختلف شکلوں اور نوعیتوں کے ساتھ سماوی اور غیر سماوی ادیان اور الہامی و وضعی قوانین دونوں میں موجود رہا۔ بعض سزائیں معمولی نوعیت کی ہوتیں جبکہ سنگین جرائم کی صورت میں سزائیں بھی سنگین ہوا کرتی تھیں اور آج بھی ہیں۔ لوگوں کہ جرائم سے روکنے، پرامن ماحول مہیا کرنے، اور پر امن معاشرے میں اپنے دستور کی بالادستی کے لئے مختلف ادیان و مذاہب میں سزاؤں کا تصور تاحال موجود ہے۔

تعلیم میں تأدیب کی تاریخ

بچہ معاشرے کی ایک اہم اکائی ہے۔ جس کی اچھی تعلیم و تربیت پر ہر دور میں توجہ دی گئی ہے۔ جس طرح اسلام نے بچے کی تربیت کو والدین اور مربی کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسی یہ اسلام سے پہلے کے ادیانِ سماویہ میں بھی موجود رہا ہے۔ یہودیت اور عیسائیت میں بھی بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے اور اسے لازمی امر قرار دیا ہے۔ تعلیم و تربیت کے لئے اگرچہ نصیحت کو اولیّت دی گئی ہے تاہم اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے اور آئندہ کے معاشرے کو بگاڑ سے محفوظ رکھنے کے لئے نصیحت کے بعد سزا کا بھی جواز دیا ہے تاکہ اصل مقصد حاصل

ہو جائے۔ تعلیم و تربیت لے لئے سزا کے جواز سے بھی مقصود بچوں معاشرتی برائیوں سے بچانا اور ان میں اخلاق حسنہ پیدا کرنا ہے کیونکہ عام معاشرتی برائیوں پر بھی سزا کا تصور موجود ہے۔ اور ان کو جرائم یا اخلاقی برائیوں پر سزا دی جاتی ہے کہ جس سے معاشرے پر برا اثر ہو۔ جیسا کہ چوری، جھوٹ، بدکاری، بدعنوانی ان پر باقاعدہ تأدیب کا تصور موجود ہے۔ اسلام ان چیزوں کے ارتکاب پر بھی اگرچہ سزا و جزا کا تصور رکھتا ہے، تاہم انسان کی تربیت اور اس کے آغاز میں ہی چند ایسے اصول دیتا ہے کہ ان کی تمرین و مشق سے بچے کی فطرت ان کاموں سے نفرت کرنے لگے۔ جب بچہ اپنے بچپن سے ہی یہ تصور لے کر جوان ہو گا کہ یہ برائیاں ہیں۔ اچھے انسان کے شایان شان نہیں ہیں۔ اور دوسری طرف ان کے ارتکاب کرنے والوں کی تأدیب بھی ہوتی ہے۔ تو یہ برائیاں کافی حد تک ختم ہو جاتی ہیں۔ بعد کی تأدیب و سزا کی ضرورت بھی کافی حد تک ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہودیت میں تعلیم و تربیت کیلئے تأدیب کا تصور

تورات میں نصیحت کے ذریعے تربیت

بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے جس طرح اسلام نے پہلے محبت اور پیار کے راستے کو اپنانے کا حکم دیا ہے اسی طرح عیسائیت میں بھی بچوں کی تعلیم و تربیت کو بھی نصیحت سے شروع کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ بچوں کی تربیت کے حوالے سے تورات میں مذکور ہے:

"اے اولاد والو! تم اپنے فرزندوں کو غصہ نہ دلاؤ بلکہ خداوند کی طرف سے تربیت و نصیحت دے کر ان کی پرورش کرو"[1]

اسی طرح تورات میں والدین کو بھی ترغیب دی گئی ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت کریں اور ان کے لاپرواہی نہ کریں۔ اگر والدین اپنے بچوں کی اچھی تربیت کریں گے تو اس کا ثمرہ بھی پالیں گے۔ تورات میں درج ہے۔

"اپنے بیٹے کی تربیت کر اور وہ تجھے آرام دے گا اور تیری جان کو شادمان کرے گا"[2]

تورات میں تعلیم و تربیت کیلئے سزا

تورات میں اگرچہ بچے کی تربیت کیلئے پہلا زینہ نصیحت کو قرار دیا گیا ہے اور اسی کے ذریعے بچے کی اصلاح و فلاح کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن جہاں نصیحت کامیاب نہ ہو وہاں تورات نے بھی سختی کے ذریعے بچے کو سیدھے راستے کی طرف لانے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اصل مقصد بچے کی اصلاح و تربیت ہے۔ اگر وہ نصیحت کے ذریعے ہو جائے تو اگے

---

(1)۔ عہد نامہ جدید، افسیوں، باب 6، آیت: 4

(2)۔ عہد نامہ عتیق، امثال، باب 29، آیت: 17

مرحلے کی ضرورت پیش نہیں آتی وگرنہ مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ناگریز حالت میں تمام مراحل سے گزانا پڑتا ہے۔ تورات میں نہ صرف بچوں کی سزا کا حکم موجود ہے بلکہ ساتھ ساتھ اس کے ثمرات وعواقب کا بھی ذکر موجود ہے۔

تأدیب کا فائدہ

تورات میں سزا کو محض غصہ اتارنے اور بچے کو تکلیف دینے کا ذریعہ نہیں بتلایا گیا بلکہ سزا کو بچے کے انجام سے جوڑا گیا ہے۔ تورات میں مذکور ہے:

"لڑکے سے تأدیب کو دریغ نہ کر۔ اگر تو اسے چھڑی سے مارے گا تو وہ مر نہ جائے گا۔ تو اسے چھڑی سے مارے گا اور اس کی جان کو پاتال سے بچائے گا"[1]

تأدیب نہ کرنے کا نقصان

ایسے بچے کہ جو نصیحت سے اپنی اصلاح نہیں کرتے تورات میں ان کو سزا دینا کا بھی جواز ہے۔ ایسے بچوں کو اگر سزا نہ دی جائے اور تأدیب کے ذریعے اصلاح نہ کی جائے تو تورات کے مطابق یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بچہ بگڑ جائے گا اور اپنے والدین اور معاشرے کے لئے مشکلات پیدا کرے گا۔ تورات میں ہے:

"چھڑی اور تنبیہ حکمت بخشتی ہے لیکن جو لڑکا بے تربیت چھوڑ دیا جاتا ہے اپنی ماں کو رسوا کرے گا"[2]

تأدیب کا مقصد

تورات میں بھی بچے کی تعلیم اور تربیت کے لئے سزا کا تصور موجود ہے۔ اسی طرح تعلیم وتربیت میں سزا کا مقصد بھی بیان کیا گیا ہے۔ سزا کو مطلق ذکر نہیں کیا گیا۔ بلکہ واضح کیا گیا ہے کہ تعلیم میں سزا کا مقصد صرف بچے کی حماقت کو دور کرنا اور اس میں سنجیدگی وپختگی بیان کرنا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر مقاصد کے لئے سزا درست نہیں ہے۔ توارت میں سزا کے اسی مقصد کو یوں ذکر کیا گیا ہے۔

"حماقت لڑکے کے دل سے وابستہ ہے لیکن تربیت کی چھڑی اس کو اس سے دور کرے گی"[3]

تورات کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑکے یعنی بچے کو سزا اس وقت دی جائے گی کہ جب اس کی حماقت نصیحت کے ذریعے زائل نہ ہو۔ اسی طرح سزا کا مقصد بھی واضح کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے حماقت کا ازالہ نہ ہو۔ تاکہ مربی یا استاذ اپنے کسی جذبے کو تسکین دے۔ اسی طرح تورات میں بچے کی ابتدائی عمر میں ہی اس کی تربیت

---

(1)۔ ایضاً، باب 23، آیت: 13

(2)۔ عہد نامہ عتیق، امثال، باب 29، آیت: 15

(3)۔ عہد نامہ، باب 22، آیت: 15

کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ ابتدا سے ہی بچے کی اصلاح و فلاح ہو سکے اور بعد کے نقصان سے بچا جا سکے۔ ابتدائی عمر میں تربیت کے حوالے سے تورات میں مذکور ہے:

"لڑکے کی اس راہ میں تربیت کر جس پر اسے جانا ہے تو وہ بوڑھا ہو کر بھی اسے نہیں مڑے گا"[1]

تأدیب بچے سے محبت کی علامت ہے

ایسے بچے جو کہ نصیحت اور محبت کی راہ سے اصلاح نہیں کر پاتے تورات میں ان کو سزا کے ذریعے راہِ راست پر لانے کو ان کی خیر خواہی اور ان سے محبت قرار دیا گیا ہے۔ ایسے لوگ جو کہ اپنے بچوں اور شاگردوں کی تأدیب کے ذریعے اصلاح نہیں وہ یقیناً اپنے بچوں یا شاگردوں سے کینہ و بغض رکھتے ہیں اور وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے یا شاگرد کسی مقام کو حاصل نہ کریں اور نہ ہی معاشرے کے لئے مفید ثابت ہوں۔ ایسے لوگوں کے بارے تورات میں مذکور ہے:

"جو اپنی چھڑی کو باز رکھتا ہے، اپنے بیٹے سے کینہ رکھتا ہے پر وہ جو اس (بیٹے) سے محبت رکھتا ہے ہر وقت اس (بیٹے) کو تنبیہ کرتا ہے"[2]

تورات کی اس آیت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت کے مطابق ایسے بچوں کی تأدیب کے زریعے اصلاح کرنا ان سے محبت کی علامت ہے۔ اور ان کو بغیر تربیت کے چھوڑ دینا ان چیوں سے کینہ اور بغض کے مترادف ہے۔ کیونکہ جب مربی یا والدین پر واضح ہو جائے کہ اس بچے کی اصلاح سزا کے ذریعے ممکن ہے لیکن اس باوجود بھی سزا کے ذریعے اصلاح نہیں کرتا گویا جان بوجھ کر بچے کو ضائع کر رہا ہے۔

اسلام میں تعلیم و تدریس اور جسمانی تأدیب

اسلام میں معمولاتِ زندگی کے بارے جامع تعلیم دی ہے۔ اور ایک قاعدہ بتلاتے ہوئے یہ تصور دیا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی معاملہ ہو اگر وہ اسی عمومی قاعدہ کی ذیل میں ہو تو بطریق احسن ادا ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ))[3]

ترجمہ: نرمی جس چیز میں بھی آجاتی ہیں تو وہ اسے خوبصورت کر دیتی ہیں اور جس چیز سے نرمی ختم ہو جائے وہ بد نما اور عیب دار ہو جاتا ہے۔

---

(1)۔ ایضاً، باب 22، آیت: 6

(2)۔ ایضاً، باب 13، آیت: 24

(3)۔ القشیری، الصحیح المسلم، باب فضل الرفق، ح: 2594، 4/2004

معاملات شائستگی اور نتائج کے اعتبار سے بہتری پیدا کرنے کے لئے اسلام نے یہ عمومی قاعدہ دیا ہے کہ جس بھی معاملے میں جس قدر نرمی اور حکمت ہو گی۔ اسی قدر اس میں اثر پذیری ہو گی۔ تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس ایسا شعبہ ہے کہ جو معاشرے کی بنیادیں تعمیر کرتا ہے۔ لہذا یہ مجال نرمی اور ترحم کے زیادہ لائق اور مستحق ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء اقرأ[1] کی لفظ سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ جب جبرائیل نے مجھے پڑھنے کا کہا تو میں نے کہا کہ میں پڑھنا لکھنا نہیں جانتا۔ جبرائیل نے تین مرتبہ یہ دہرایا۔ پھر مجھے زور سے گلے لگایا۔ اور پھر میں نے پڑھا۔ بنیادی طریقہ تعلیم تو اس روایت میں مل جاتا ہے کہ جبرائیل نے تین مرتبہ دہرا کر کہا کہ پڑھو۔ اس میں نرمی، پیار، متانت اور ہمدردی کا پہلو کس قدر واضح ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ ﷺ ایک بات کو تین مرتبہ دہرائے تاکہ یاد کرنے والوں کو یاد ہو جائے اور نہ سمجھنے والوں کو سمجھ آجائے۔ یعنی تعلیم و تعلّم میں اسلام نے اپنے عمومی مزاج کے مطابق اصل اسی چیز کا جانا ہے کہ انسان عقل و تفہیم میں پختہ ہو۔ اگر یہ کام نرمی اور شائستگی سے ہو سکتا ہے تو یہ مثالی صورتحال ہے۔ اسلام اس مقصد کے مقصود نتائج کے لئے مزید کسی طرف مائل نہیں ہوتا۔ لیکن تعلیم میں چونکہ ہر انسان کا مزاج اور عقلی بصیرت اسی طرح ماحول الگ الگ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر مقصودہ نتائج نرمی اور متانت سے حاصل نہیں ہو رہے تو اس کے لئے آپ ﷺ نے بھی کئی ایک حکمت عملیاں اپنائیں ہیں اور جسمانی تأدیب کی طرف بھی گئے۔ اسی طرح بچوں کی تعلیم و تأدیب کیلئے ان کو سزا کا خوف بھی دلانے کا کہا گیا ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"لا تأخذه رأفة في دين الله فيطلعه بمنزلة الوالد اذا ادب ولده فانه لو كف عن تأديب ولده لفسد الولد و انما يؤدبه رحمة به و اصلاحاً لحاله مع انه يود و يؤثر ان لا يجوحه الي تأديب"[(2)]

ترجمہ: اللہ کے دین میں نرمی آڑے نہ آئے کہ سزا کو معطل کر دے۔ بلکہ اس والد کی طرح عمل کرے کہ جو اپنے بچے کو سزا دیتا ہے۔ اگر وہ بچے کو سزا نہ دے تو بچہ بگڑ جائے گا۔ والد بچے کو اس لئے سزا دیتا ہے کہ اس کی حالت درست ہو جائے حالانکہ وہ دل سے یہ ہی چاہتا ہے کہ سزا کی نوبت پیش ہی نہ آئے۔

---

(1)۔ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، العلق:1

(2)۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاویٰ (السعودیۃ، لطباعۃ المصحف الشریف، الطبعۃ الاولیٰ، 1995) فصل فی حد السارق، 28/329

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اوّل تلقین نرمی سے ہو گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سختی نہیں کی جاسکتی کیونکہ محض نرمی سے بچے کے بگڑنے کے بھی خطرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی گھر میں کوڑا رکھنے کی حکمت بھی یہی بیان فرمائی کہ اس سے بچوں کے ذہن میں سزا کا تصوّر تازہ رہے گا۔ اگرچہ مارنے کا عمل دس سال کے بعد ہی ہو گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم و تدریس میں نہ تو سزا کی کھلی اجازت ہے اور نہ ہی سزا بالکل موقوف ہے۔ بلکہ درمیان کا راستہ جو کہ رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا وہی مناسب اور مفید ہے۔

فصل دوم:

جسمانی تأدیب سے متعلق اسلامی تعلیمات

اسلام اپنی اصل اور اساس میں پر امن اور نرمی والا دین ہے۔جو کام آسانی اور نرمی سے ہو سکتا ہے اسلام کبھی بھی اس میں سختی کو پسند نہیں کرتا۔خواہ وہ میدان جہاداور سیاسی امور ہی کیوں نہ ہوں۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علیؓ سے فرمایا کہ اے علی خیبر والوں کو پہلے نرمی سے اسلام کی دعوت دینا اگر وہ تیرے کہنے سے اسلام لے آئیں تو یہ تیرے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے۔جب اسلام عین حالت جنگ میں بھی نرمی اور شفقت کے پہلو کا اتنا خیال کرتا ہے تو بچوں کی تربیت و تأدیب میں شفقت کس قدر غالب ہو گی۔

بچوں کے بارے میں تو آپ ﷺ نے بہت نرمی اور شفقت کا درس دیا ہے۔آپ ﷺ نے بچوں کو پھول قرار دیا۔آپ ﷺ نے سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے بارے میں فرمایا:

((هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا))[1]

ترجمہ:یہ دونوں دنیا میں میرے (جنت کے) پھول ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بنفسہٖ تأدیب کے معاملے میں بھی بچوں پر سختی کا قائل نہیں ہے۔کیونکہ جس کو اسلام خود جنّت کی خوشبو یا پھول قرار دے اس کی قدر بھی اسی قدر کرے گا۔اس طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا أَعْطَى أَهْلُ الْبَيْتِ الرِّفْقَ إِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا مَنَعُوا الا ضَرَهُم))[2]

ترجمہ:جس بھی گھرانے کو نرمی عطا کی گئی وہ اس سے نفع مند ہوتے ہیں اور جس گھرانے کو نرمی عطانہ کی گئی ہو نقصان سے دوچار ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ عمومی احوال کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ))[3]

ترجمہ:نرمی جس چیز میں بھی آجاتی ہیں تو وہ اسے خوبصورت کر دیتی ہیں اور جس چیز سے نرمی ختم ہو جائے وہ بد نما اور عیب دار ہو جاتا ہے۔

---

(1)۔بخاری،الصحیح البخاری،مناقب الحسن والحسین،ح:3753،ص:631

(2)۔طبرانی،سلیمان بن احمد بن ایوب،المعجم الکبیر (مکتبۃ ابن تیمیۃ،الطبعۃ الثانیۃ) باب عروۃ بن زبیر،عن عبد اللہ بن عمر،ح:13261،12/330

(3)۔قشیری،الصحیح المسلم،کتاب البر والصلۃ،باب فضل الرفق،ح:2594،4/2004

لیکن یہ نرمی اور شفقت کا پہلو اس وقت تک ہے کہ جب نرمی سے مطلوبہ اہداف حاصل ہو جاتے ہوں۔ بچوں کی تربیت اور ان کی تہذیب ایک اہم مسئلہ ہے۔ اگر اس میں فقط نرمی سے کام نہ چلتا ہو تو پھر اسلام نے اس میں قدرے سختی کرنے کی اجازت دی ہے۔

اس فصل میں ہم اس کا جائزہ لیں گے کہ اسلام نے بچوں کی تأدیب کے حوالے سے کتنی سزا کی اجازت دی ہے۔ اور سزا دینے کی شرائط کیا ہیں؟ جس چیز سے سزا دی جائے وہ کیسا ہو؟ اسی طرح بچوں کو جسمانی سزا دیتے وقت مؤدب اور بچے کی کیا صفات ہونی چاہیئے۔

بچوں کو ادب سیکھانے کے بارے سرپرست مسؤول ہے

اسلام نے ہر مسلمان کو ایک ذمہ دار اور مسؤول قرار دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))[1]

ترجمہ: تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے اس نگرانی کا سوال ہو گا۔

انسان کے پاس اگر دولت اور مادی اسباب اور وقت بطور امانت ہیں اور ان کے بارے پوچھا جائے گا۔ تو اولاد ان سے بڑھ کر اور اہم ہے۔ کہ اسکے بارے پوچھا جائے اور بندے پر لازم ٹھیرے کہ بندہ اولاد کی ایسی تربیت و تہذیب کرے کہ اپنی مسؤولیت سے بری ذمہ ہو۔

اس لئے شارع حکیم ﷺ نے ہر شخص کو اپنی اولاد اور اپنی زیر نگرانی لوگوں کے بارے مسؤول ٹھرایا ہے۔ اور اس پر فرض کیا ہے کہ اپنے ماتحت لوگوں اور بچوں کی اس طرح تربیت کرے جیسا کی اللہ تعالیٰ نے اسے کا حکم دیا ہے۔ تا کہ اس کا بچہ بڑا ہو کر زمین میں خلیفہ ہونے کا حق اچھے طریقے سے ادا کر سکے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والے لوگوں! اپنے آپ کو اور اپنے اولاد کو اور اپنے اھل و عیال کو اس آگ سے بچالو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہونگے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ اور اپنے اھل و عیال کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرنے کا عادی بنانے کے ذریعے آگ سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اولاد کو بھی آگ سے بچانا والدین اور مربیین کی ذمہ داری ہے۔

---

(1)۔ بخاری، صحیح البخاری، کتاب الاستقراض، باب العبد راع فی مال سیدہ، ولایعمل الا باذنہ، ح:2409 ص:387

(2)۔ التحریم:6

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"ای مروهم بالمعروف ونهوهم عن المنكر، ولا تدعوهم هملا،فتاكلهم النار يوم القيامة"[1]

ترجمہ:یعنی ان کو معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو ان کو بے کار مت چھوڑو کہ قیامت کو آگ ان کو کھا جائے۔

اسی طرح علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"وكم ممن اشقي ولده و فلذة كبده في الدنيا و الاخرة بإهماله, وترك تأديبه, واعانته علي شهواته, ويزعم انه يكرمه وقد اهانه, وأنه يرحمه وقد ظلمه, ففاته انتفاعه بولده, وفوة عليه حظه في الدنيا والاخره, واذا اعتبرت الفساد في الاولاد رأيت عامته من قبل الاباء"[2]

ترجمہ: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں کہ ان کے جگر گوشے دنیا اور آخرت میں-ان کو بے کار چھوڑنے، ان کی تأدیب نہ کرنے اور شہوات پر ان کی مدد کرنے کی وجہ سے- شقی ہو جاتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی عزت کر رہے ہیں حالانکہ وہ ان کو رسوا کرتے ہیں۔اور سمجھتے ہیں کہ ان پر رحم کر رہے ہیں حالانکہ ان پر ظلم کرتے ہیں۔اس طرح ان کی اولاد سے خیر ختم ہو جاتی ہیں اور والدین بھی دنیا اور آخرت میں ان کے شر سے حصہ پاتے ہیں۔اسی لئے جب بھی آپ بچوں میں فساد دیکھیں تو غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ ان کا اکثر ان کے والدین کی طرف سے ہے۔

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ))[3]

ترجمہ: کسی شخص کے گناہ گار ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے زیر سایہ لوگوں کو ضائع کر دے۔

سیدنا جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاع))[4]

ترجمہ:اگر بندہ اپنے بچے کو ادب سیکھائے یہ ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

مذکورہ بالا ادلّہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کو ادب سیکھانا اور معاشرے کا ایک اہم اور کارآمد فرد بنانا یہ والدین اور مربیین کی ذمہ داری ہے اور ان پر شرعی فرض ہے۔کہ اگر وہ اس میں کمی، کوتاہی کرتے ہیں تو دونوں

---

(1)۔ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت، دار ابن حزم، الطبعۃ الاولیٰ2000) ص:1894

(2)۔ابن قیم الجوزیہ، ابی عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب، تحفۃ المودود باحکام المولود (القاھرہ، المکتبۃ القیمۃ، 1961م) ص:143

(3)۔سجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد (ریاض, دار السلام، فروری2009)باب فی صلۃ الرحم، ح:1692، حکم الحدیث حسن،2/ 132

(4)۔ترمذی، الجامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی ادب الولد، ح:1951، حکم الحدیث غریب،4/337

جہانوں میں اس کا خمیازہ کسی نہ کسی ان کو بھگتا پڑے گا۔ اگر بچہ اچھے اداب اور حسن خلق کا مالک بنے گا تو لا محالہ طور پر اس کے والدین اور اساتذہ بھی اس سے مستفید ہونگے لیکن اگر اس کی عادات اچھی نہ ہوں اور برائی میں آگے ہو۔ برے اخلاق وسیرت کا مالک ہو تو اس کے والدین اور اساتذہ کیونکر اس کی شرارتوں سے اس کے اعمال کے انجام سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

قاضی ابو بکر بن العربیؒ فرماتے ہیں:

"الصبي أمانة عند والديه ، وقلبه الطاهر جوهرة نفيسة، ساذجة خالية من كل نقش وصورة، و هو قابل لكل نقش، ومائل إلى كل ما يمال به إليه، فإن عود الخير وعلمه نشيء عليه، وسعد في الدنيا والآخرة، وشاركه في ثوابه أبوه، وكل معلم له ومؤدب، وان عود الشر وأهمل إهمال البهائم شقي هلك، وكان الوزر في رقبة القيم عليه والوالي له"[1]

ترجمہ: بچہ اپنے والدین کے پاس امانت ہوتا ہے۔ اس کا پاک دل ایک قیمتی جوہر ہوتا ہے۔ جو ہر طرح کے نقش و نگاری سے پاک ہوتا ہے اور ہر نقش کو قبول کرتا ہے اور ہر اس چیز کی طرف مائل ہوتا ہے جس کی طرف اسے مائل کیا جائے۔ اگر اسے خیر سیکھائی جائے اور اس کا عادی بنا دیا جائے تو دنیا اور آخرت میں سعادت مند ٹھرتا ہے۔ اور اس کے والدین اور اساتذہ بھی اس کی خیر میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن اگر اسے شر کا عادی بنایا جائے اور جانوروں کی طرح بے لگام چھوڑ دیا جائے تو وہ بد بخت ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ہلاکت اور بد بختی کا بوجھ اس کے مربیین پر بھی ہوتا ہے۔

جسمانی تأدیب کی مشروعیت

اسلام نے اپنے تمام تر نرمی اور شفقت کے باوجود اس اہم مسئلے میں بچوں کو جسمانی سزا دینے کا جواز فراہم کیا ہے۔ بچوں کی تأدیب اور تربیت ایک اہم مسئلہ ہے۔ جس پر سارے معاشرے کے امن وسکون اور حالات کی سازی و ناسازی کا دارومدار ہے۔ اس لئے اسلام نے اس کام کو سلیقے و طریقے، نرمی و شفقت سے کرنے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ لیکن اگر اس کی راہ میں پھر بھی رکاوٹ ہو اور بچے ایسی طبع کے ہوں کہ وہ بغیر سختی اور مار کے راہ راست پر نہ آئے ہوں تو ان کو ادب سیکھانے کے لئے جسمانی سزا کو بھی مشروع قرار دیا ہے۔

بچوں کی تأدیب واصلاح کے لئے ان کو جسمانی سزا کے جواز کے بارے میں علامہ ابن نجیم حنفیؒ فرماتے ہیں:

"فقد اتفق فقهاء السلف علىٰ جواز ذلک تأديباً لهم و اصلاحاً"[2]

---

(1)۔ ابن الحاج، محمد بن محمد العبدري، المدخل (دار التراث، بدون طبعۃ) فصل تربیۃ الاولاد وحسن سیاستھم، 4/295

(2)۔ ابن نجیم، زین الدین ابن ابراہیم، البحر الرائق شرح کنز الحقائق (دار الکتاب الاسلامی، الطبعۃ الثانیۃ) 8/394

ترجمہ: فقہاء کرام اور سلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بچوں کو تأدیب واصلاح کی غرض سے جسمانی سزا دی جاسکتی ہے۔

"اسی مفہوم کی عبارت کو علامہ ابن ھمامؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ فقہاء کرام نے بچوں کو جسمانی سزا دینے کے جواز پر اتفاق کیا ہے"[1]

ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر بچوں کی تأدیب وتہذیب کے باقی راستے مسدود ہوں تو اس صورت میں جسمانی سزا کے ذریعے سے اگر ظن غالب ہو تو بچوں کی اصلاح کا طریقہ اختیار کیا جا کیا جاسکتا ہے۔ ان فقہاء کرام نے اس جواز کو شرعی نصوص سے ہی حاصل کیا ہے۔ جس کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی روشنی میں تأدیب کا جواز

اسلام ایک وسط دین ہے جو ہر طرح کے افراط و تفریط سے بالکل بری و پاک ہے۔ اسلام نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے۔ اگر اسی علت کی دوسری چیز ہو تو وہ از خود اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ جسے قیاس کہتے ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات یہ قیاس ادنیٰ اور اولیٰ بھی ہوتا ہے۔ اسلام نے نافرمان اور مردوں کی غیب میں حفاظت نہ کرنے والی عورتوں کو بھی اس وقت مارنے کا حکم دیا ہے۔ جب وہ دیگر طریقوں سے نہ سمجھیں اور اپنی برائی پر اسرار کریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾[2]

ترجمہ: اور جن عورتوں سے تمھیں نافرمانی کا خوف ہو تو ان کو وعظ و نصیحت کرو۔ اور ان سے اپنے بستر علیحدہ کرلو اور ان کو مارو۔ اگر وہ تمھاری اطاعت کرلیں تو ان پر زیادتی کا راستہ نہ اپناؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو سدھارنے کے لئے آخری حد یہ بیان کی ہے کہ ان کو مارلو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر عورت کی تأدیب و اصلاح کے لئے آخری حد مار ہے تو اولاد کو مارنا قیاس اولیٰ کے تقاضے سے جائز ہے۔ کیونکہ بیوی ہر حال میں اولاد سے اہم ہے۔ اگر ہم اہم چیز کی اصلاح میں مار کی حد تک جایا جاسکتا ہے تو اس کی نسبت کم اہم میں تو مار کا راستہ اختیار کرنا زیادہ اولیٰ ہو گا۔

---

(1)۔ ابن الھمام، کمال الدین بن عبد الواحد، فتح القدیر (دار الکتاب الاسلامی) 5/346

(2)۔ النساء:34

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے گھر کے سربراہ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والوں! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں (بیوی، بچوں) کو اس آگ سے بچالو کہ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہونگے۔

اس آیت میں بھی قیاس اولیٰ کا تقاضا یہ ہے کہ بچوں کو مارنے کا جواز ہو۔ کیونکہ جہنم کی آگ کا مقابلہ دنیا کی کسی بھی چیز سے نہیں۔ اگر بچے کی کچھ حد تک جسمانی تأدیب سے وہ تہذیب یافتہ ہو کر جہنم کی آگ سے بچ جائے تو قیاس اولیٰ سے درست ہو گا۔

احادیث کی روشنی میں تأدیب کا جواز

رسول اللہ ﷺ کے فرامین میں بھی ایسی احادیث ہیں جن سے باامر مجبوری بچوں کو جسمانی سزا دینے کا جواز ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے بچوں کو مار کا خوف اور غلطی پر سزا کا احساس دلانے کے بجائے یوں فرمایا کہ:

((عَلِّقُوا السَّوْطَ حَيْثُ يَرَاهُ أَهْلُ الْبَيْتِ فَإِنَّهُ لَهُمْ أَدَبٌ))[2]

ترجمہ: کوڑے کو وہاں لٹکاؤں جہاں سے گھر والے اسے دیکھ سکیں کیونکہ اس میں اس کی تادیب ہے۔

نماز کی عدم ادائیگی پر بھی آپ ﷺ بچوں کو سزا دینے کا حکم فرمایا ہے:

((مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا، وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ))[3]

ترجمہ: اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جن وہ سات سال کے ہو جائیں اور (نماز چھوڑنے پر) ان کو مارو جب وہ دس سال کا ہو جائیں۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہم امر کی ترک پر سختی کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ نماز کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اگر بچے دس سال کے ہو جائیں اور پھر بھی نماز نہ پڑھیں تو ان کو مار کر نماز پڑھاؤ۔ لیکن یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بچوں کو خواہ مخواہ مارنا نہیں چاہیے کیونکہ فضول کاموں پر سختی سے طبیعت میں بگاڑ آتا ہے۔ آپ ﷺ نے نماز جیسے اہم کام کے علاوہ بچے کو مارنے کا حکم نہیں دیا۔ اس لئے کوئی اس قدر اہم بات یا کام ہو تب ہی بچے مارا جا سکتا ہے۔ ان احادیث سے یہ مطلب لینا قطعا درست نہیں ہے کہ اب بچوں پر تشدد کے دروازے کو کھول دیا جائے۔

---

(1)۔ التحریم:6

(2)۔ الصنعانی، مصنف عبد الرزاق، باب ضرب النساء والخدم، ح:17963، 9/447

(3)۔ السجستانی، سنن ابی داؤد، ح:495، حکم الحدیث: حسن صحیح 1/133

سیدہ عائشہؓ سے یتیم بچے کی تربیت کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یتیم کی پرورش اور اس کی تعلیم و تربیت کرتے وقت اگر مارنے کی ضرورت پڑ جائے تو سیدہ عائشہؓ نے فرمایا:

((إِنِّي لَأَضْرِبُ أَحَدَهُمْ حَتَّى يَنْبَسِطَ))[1]

ترجمہ: میں تو اسے اس وقت تک ماروں گی کہ جب تک وہ سمجھدار نہ ہو جائے۔

علماء کی آراء کی روشنی میں تأدیب کا جواز

علماء سلف و خلف کا تقریباً جسمانی تأدیب کی مشروط اجازت پر اتفاق ہے۔ جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔

"فقد اتفق فقهاء السلف علىٰ جواز ذلک تأديباً لهم و اصلاحاً"[2]

ترجمہ: فقہاء اور سلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بچوں کو تأدیب و اصلاح کی غرض سے جسمانی سزا دی جا سکتی ہے۔

امام احمدؒ سے تأدیب ولد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"يضرب علي الادب و قال ايضا:اليتيم يؤدب والصغير يضرب ضربا خفيفا.وسئل عن ضرب المعلم الصبيان؟ فقال علي قدر ذنوبهم"[3]

ترجمہ: ادب سیکھانے کے لیے مارا جائے گا۔ اور فرمایا کہ یتیم کو بھی ادب سیکھانے پر بھی مارا جا سکتا ہے۔ اسی طرح چھوٹے بچے کو ہلکی پھلکی مار دی جا سکتی ہے۔ اور جب پوچھا گیا کہ استاد اپنے طالب علموں کو کتنا مار سکتا ہے تو فرمایا کہ غلطی کے برابر مارا جا سکتا ہے۔

قاضی شریحؒ فرماتے ہیں کہ غلطی پر بچے کو تین مرتبہ مارا جا سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے عمال کو خط لکھا کہ بچوں کو اساتذہ صرف تین مرتبہ مار سکتے ہیں۔[4]

جسمانی تأدیب کے ضوابط

اس سے پہلے کی سطور میں ہم نے جسمانی تأدیب کی مشروعیت کو بیان کیا۔ لیکن اسلام میں بچوں کی جسمانی سزا کی مشروعیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سزا کی مطلق اجازت ہے۔ اور اس کے بارے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

---

(1)۔ ابن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی ادب الیتیم، رقم الحدیث:26686، 5/ 340

(2)۔ ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الحقائق، 8/ 394

(3)۔ تنبیہات، مفتی عبد الباقی اخونزادہ، 2/200

(4)۔ محمد نور بن عبد الحفیظ، تربیت اولاد کا نبوی انداز اور اس کے زرّیں اصول (لاہور، دار القلم) ص:296

والدین یا استاد کا جس طرح دل چاہیے بچوں کو سزا دیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اسلام نے سزا کو بالکل آخری آلہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔

جسکا کہ عربی میں مقولہ ہے:

((آخِرُ الدَّوَاءِ الْكَيُّ))[1]

ترجمہ: آخری علاج داغنا ہے۔

بالکل اس طرح اسلام نے بھی جسمانی سزا کو بالکل آخری درجہ پر رکھا ہے۔ پھر اسے آخری درجہ پر رکھ کر بھی بے ضبط و ربط نہیں چھوڑا بلکہ اس لے لئے کچھ شروط، قواعد و ضوابط رکھے ہیں۔ اور بچے کو سزا دینے سے پہلے ان کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔ ذیل میں ہم ان شرائط کا ذکر کرتے ہیں۔

بچے کی عمر دس سال سے کم نہ ہو

اسلام میں جہاں جسمانی سزا کی گنجائش ہے وہاں پر پہلی شرط یہ ہے کہ دس سال سے کم عمر بچے کو نہیں مارا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا، وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ))[2]

ترجمہ: اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جن وہ سات سال کے ہو جائیں اور (نماز چھوڑنے پر) ان کو مارو جب وہ دس سال کا ہو جائیں۔

اس حدیث میں واضح بتایا گیا ہے کہ مار دس سال کی عمر کے بعد ہو گی۔ اور وہ بھی اتنے اہم اور دینی فریضے کے چھوڑنے پر جس پر سارے ایمان اور اسلام کا دارومدار ہے اور آخرت میں پہلا سوال اسی کے بارے میں ہونا ہے۔ اس قدر عظیم اور دینی ستون کو چھوڑنے پر بھی مار دس سال کے بعد مشروع ہے۔ تو قیاس اولیٰ کا تقاضا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کام یا دنیاوی معاملے پر دس سال کی عمر میں بھی نہیں مارا جائے گا۔ یا صرف اس معاملے پر مارا جائے کہ جو دس سال کے بچے کے لئے نماز جتنا اہم ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ سے جب چھوٹے بچے کو مارنے کی صورت پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ چھوٹے بچے کو نہیں مارا جائے گا۔ اور اگر بچہ بڑا بھی ہو تو بقدر خطا کے سزا دی جائے گی۔ یعنی دس سال سے پہلے پہلے ہر طرح کے صبر و تحمل، شفقت و بردباری سے کام لیا جائے گا۔ آپ ﷺ کی تعلیم یہی ہے۔ بلکہ بعض روایات میں تو مارنے کی عمر کو دس سال سے بھی بڑھایا گیا ہے۔

---

(1)۔ البغوی، الحسین بن مسعود، شرح السنۃ (بیروت، المکتب الاسلامی، الطبعۃ الطبعۃ الثانیۃ) باب مداواہ بالعسل، 12/146

(2)۔ السجستانی، سنن ابی داؤد، باب متیٰ یؤمر الغلام بالصلوٰۃ، ح:495، حکم الحدیث حسن صحیح، 1/ 133

ایک روایت میں سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مُرُوهُمْ بِالصَّلَاةِ لِسَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا لِثَلَاثَ عَشْرَةَ))[1]

ترجمہ: سات سال کی عمر میں ان کو نماز کا حکم دو اور تیرہ سال کی عمر میں (نماز چھوڑنے پر) ان کو مارو۔

دیکھیں اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے خود سزا دینے کی عمر دس کی جگہ تیرہ سال بتلائی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مار اصل نہیں ہے بلکہ تأدیب و تہذیبِ نفس اصل چیز ہے۔

غصہ کی حالت میں نہ مارا جائے

غصہ ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جس میں عقل کا وافر حصہ زائل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے اپنی امت کو غصہ نہ کرنے کی وصیت فرمائی ہیں۔

ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ مجھے وصیت فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا لاتغضب اس نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا اور آپ ﷺ نے تینوں مرتبہ یہی جواب دیا۔[2]

اسی طرح آپ ﷺ نے غصے کی حالت میں کوئی اہم کام کرنے سے بھی منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَقْضِي القَاضِي وَهُوَ غَضْبَانُ))[3]

ترجمہ: قاضی غصے کی حالت میں فیصلہ ہر گز نہ کرے۔

بچوں کو سزا دینا بڑا سنجیدہ مسئلہ ہے اور اس حالت میں انسان کا اپنا نفس مکمل قابو میں ہونا ضروری ہے۔ اور بچوں کو برا بھلا بھی نہ کہا جائے عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ بچوں کو ڈانٹنے ڈپٹنے میں مبالغے کے بعد انسان مارنے پر اتر تا ہے۔ اس لئے اگر اپنے نفس میں غصہ محسوس کرے تو مارنے سے رک جائے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ غصے کی حالت میں مار سے دیگر نقصان ہو جائیں۔

ایک مرتبہ عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک شخص کو مارنے کا حکم دیا۔ جب لوگ اسے مارنے لگے تو آپ نے منع کر دیا۔ جب وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ حکم دیتے وقت میں نے اپنے اندر غصہ محسوس کیا تھا۔ اور غصے کی حالت میں کسی کو مارنا مجھے پسند نہیں ہے۔[4]

---

(1)۔ دار قطنی، علی بن عمر، السنن دار قطنی (بیروت، دار المعرفۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 2001) باب الامر بتعلیم الصلوٰت والضرب علیھا وحد، ح:1879، 1/507

(2)۔ بخاری، صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، ح:6116، ص:1066

(3)۔ ترمذی، الجامع الترمذی، باب ماجاء لایقضی وھو غضبان، 3/612

(4)۔ محمد نور بن عبد الحفیظ، تربیت اولاد کا نبوی انداز اور اس کے زرّیں اصول، ص:301

بچوں کے معلّم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان باتوں پر ضرور عمل کرے۔ اور مارنے سے ان کے فائدے کو مد نظر رکھے۔ اپنے غصے کو ختم کرنے کے لئے کسی پر ہاتھ تک نہ اٹھایا جائے۔ کیونکہ مسلمان بچوں کو اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے یا اپنا غصہ ختم کرنے کے لئے مارنا ظلم ہے۔

چہرے پر نہ مارا جائے

مارتے وقت معلّم، مربّی یا والدین کو یہ خاص خیال رکھنا چاہیے کہ بچے کی کسی ایک جگہ پر ہی نا مارتا جائے۔ کیونکہ اس سے بچے کو تکلیف شدید ہو گی اور بچے کو مارنے کا اصل مقصد زائل ہو جائے گا۔ اور خاص طور چہرے پر مارنے سے بچنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَّقِ الْوَجْهَ))[1]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی مارے تو چہرے پر نہ مارے۔

اس حدیث میں چہرے پر مارنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ چہرہ انسان کے جسم اشرف مقام ہے اور اسی طرح چہرہ جسم کا نازک حصّہ بھی ہے۔ اس لئے جسم کے دیگر نازک حصوں پر مارنے سے بھی بچنا ضروری ہے۔

"سیدنا علیؓ کے سامنے نشے کی حالت میں مست شخص کو پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: چہرے اور شرم گاہ کے علاوہ دیگر جسم کے حصّوں پر ضرب رسید کرو"[2]

استاد کو چاہیے کہ بچے کہ سر، چہرے اور شرمگاہ پر نہ مارے کیونکہ یہ نازک اعضاء ہوتے ہیں۔ سر پر مارنے سے بعض اوقات دماغ میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ اور بچے کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ یا آنکھ پر لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ البتہ ہاتھوں، پاؤں اور ٹانگوں پر بقدر ضرورت مارا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان میں خطرات کم ہوتے ہیں۔

"كان سليمان بن سعد يؤدب الوليد و سليمان فقال له عبد الملك: يا سليمان لا تضرب وجوه بنى" [3]

ترجمہ: سلیمان بن سعد، خلیفہ عبد الملک بن مروان کے دو بیٹوں ولید بن عبد الملک اور سلیمان بن عبد الملک کی تربیت کرتا تھا۔ اور دوران تربیت ان کی تأدیب اور سزا سے بھی کام لیتا تھا۔ تو عبد الملک بن مروان نے سلیمان بن سعد سے کہا: سلیمان میرے بچوں کے چہرے پر مت مارنا۔

---

(1)۔ سجستانی، سنن ابی داؤد، باب ماجاء فی ضرب الوجہ فی الحدّ، ح:4493 حکم الحدیث صحیح، 4/ 167

(2)۔ الجصاص، احکام القرآن للجصاص، 2/ 332

(3)۔ ابن ابی الدنیا، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید، کتاب العیال (السعودیۃ، دار ابن قیم، الطبعۃ الاولیٰ، 1990) 1/ 527

" كان ابراهيم بن ابى عبلة يؤدب وليد الوليد بن عبد الملک فخرج عليه الوليد يوما وقد حمل جارية على ظهر غلام و هو يضربها فقال له: مه يا ابراهيم فان الجوارى لا يضربن على اعجازهن ولكن عليک بالقدم والكف" [1]

ترجمہ: ابراہیم بن علبہ ولید بن عبد الملک کے بچوں کے استاد تھے۔ ایک مرتبہ ولید بن عبد الملک نے دیکھا کہ ابراہیم بن علبہ ایک بچی کو مار رہے ہیں تو ولید نے کہا: ابراہیم بچیوں کی سرین پر نہیں مارنا چاہیے بلکہ ان کے ہاتھوں اور پیروں پر مارو۔

تأدیبی آلے کی شرائط

مارنے کے جواز کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس چیز سے دل کرے اس سے مار لینا چاہیے۔ بلکہ اسلام نے مارنے والے آلہ کی بھی کچھ صفات بیان کی ہیں جن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

پہلی صفت یہ ہے کہ آلہ ضرب باریک لکڑی یا کوئی ایسی چیز ہو کہ جس کا اثر صرف جلد پر ہی ہو جلد سے آگے گوشت اور ہڈی تک اس کا اثر نہ جائے۔ حد زنا وغیرہ میں استعمال ہونے والے کوڑے کی صفت کے بارے سید ابو الاعلیٰ المودودیؒ فرماتے ہیں:

"کوڑے کی کیفیت قرآن کی آیت "فجلدوا" سے ہی متشرّح ہے۔ جَلَدَ۔ جِلد سے ماخوذ ہے اور جلد جسد انسانی کے اوپر کے حصّے کو کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے تمام اصحاب معاجم اور علماء تفسیر اس بات پر متفق ہیں کہ کوڑے کی ضرب صرف ظاہری کھال پر اثر انداز ہو۔ آگے گوشت تک سرایت نہ کر جائے، لہذا ہر وہ ضرب جو گوشت کو قطع کرے، یا کھال کو اکھاڑ دے اور زخم کر دے، تو یہ حکم قرآن کی خلاف ورزی شمار ہو گی"[2]

لہذا بچے کو سزا دینے والا آلہ اتنا سخت نہ ہو کہ جو زخم کر دے اور نہ ہی اتنا نرم ہو کہ بچے کو درد کا معمولی سا احساس بھی نہ ہو۔ بلکہ درمیانہ ہونا چاہیے کہ جس سے زخم وغیرہ بھی نہ ہو اور بچے کو تنبیہ بھی ہو جائے۔

((أَنَّ رَجُلًا اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا عَلَى عَهْدِ النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَمَ، فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَمَ بِسَوْطٍ، فَأُتِيَ بِسَوْطٍ مَكْسُورٍ، فَقَالَ: فَوْقَ هَذَا، فَأُتِيَ بِسَوْطٍ جَدِيدٍ لَمْ تُقْطَعْ ثَمَرَتُهُ، فَقَالَ: بين هَذَين فَأُتِيَ بِسَوْطٍ، قَدْ رُكِبَ بِهِ وَلَانَ، فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ))[3]

---

(1)۔ ایضاً 1 / 526

(2)۔ المودودی، ابو الاعلیٰ المودودی، تفہیم القرآن (ادارہ ترجمان القرآن) 3/ 117

(3)۔ ابو عبد اللہ، مالک بن انس، مؤطا امام مالک (بیروت، دار احیاء التراث العربی) باب ماجاء فیمن اعترف علیٰ نفسہ بالزنا، ح:12، 2/ 825

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مسعود میں ایک شخص نے زنا کا اعترف کیا۔ تو آپ ﷺ نے سزا دینے کے لئے کوڑا منگوایا تو ایک ٹوٹا ہوا کوڑا پیش کیا گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے اچھا لے کر آو۔ پھر ایک نیا کوڑا پیش کیا گیا جو ابھی استعمال بھی نہیں ہوا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: درمیانے قسم کا کوڑا لے آو تو ایک نرم قسم کا کوڑا آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ جس سے آپ ﷺ نے حد لگانے کا حکم دیا تو آپ ﷺ کی حکم کی تعمیل کی گئی۔

" أُتِيَ عُمَرَ بِرَجُلٍ فِي حَدٍّ، فَأَمَرَ بِسَوْطٍ فَجِيءَ بِسَوْطٍ فِيهِ شِدَّةٌ،فَقَالَ:«أُرِيدُ أَلْيَنَ مِنْ هَذَا»،فَأُتِيَ بِسَوْطٍ فِيهِ لِينٌ، فَقَالَ:«أُرِيدُ أَشَدَّ مِنْ هَذَا» قَالَ:فَأُتِيَ بِسَوْطٍ بَيْنَ السَّوْطَيْنِ فَقَالَ:اضْرِبْ بِهِ، وَلَا يُرَى إِبْطُكَ"[1]

ترجمہ: اسی طرح سیدنا عمرؓ کے سامنے ایک مرتبہ ایک کوڑا پیش کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا کی اس سے تھوڑا نرم کوڑا لاؤ۔ پھر ایک دوسرا لایا گیا تو پھر آپ نے فرمایا کی اس سے تھوڑا سخت لاؤ۔ پھر ایک درمیانہ چابک لایا گیا تو فرمایا اب اس سے مارو اور تمہاری بغل واضح نہ ہو (یعنی پوری قوت سے نا مارنا)۔

علامہ شمس الدین الانبابیؒ بچوں کی تأدیب میں استعمال ہونے والے آلہ ضرب کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھا:

1۔ حجم میں معتدل ہو، جو لاٹھی اور قضیب (چھڑی) کے درمیان ہو۔

2۔ رطوبت میں بھی معتدل ہو یعنی نہ اتنا سخت ہو کہ زخم پڑ جائے اور نہ اتنا نرم ہو کہ محسوس تک نہ ہو۔

3۔ "مارنے اور تأدیب کے لئے کوئی ایک چیز خاص نہ کیا جائے بلکہ کبھی عصا استعمال کرے کبھی چابک اور کبھی کپڑے کو لپیٹ کر اسے تأدیب کے لئے استعمال کرے" [2]

دوسری صفت یہ ہے کہ ضرب نہ ہی زیادہ شدید ہو اور نہ انتہائی آہستہ ہو بلکہ درمیانی ہو۔ اسی بات پر تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ ضرب نہ تو زخم کرنے والی ہو اور نہ ہی سخت درد محسوس کروانے والی ہو۔ بلکہ جس مقصد کے لئے مارا جا رہا ہے اسے پورا کرنے والی ہو۔

سیدنا عمرؓ کوڑا مارنے والے سے فرماتے تھے ہاتھ اتنا اوپر مت اٹھاؤ کہ تمھاری بغل ظاہر ہو یعنی اپنی پوری طاقت سے ضرب مت لگاؤ۔ بلکہ نرمی کا پہلو اختیار کرو۔

علامہ شمس الدین الانبابی بچے کی تأدیبی ضرب کی کیفیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

1۔ ضرب بدن کے ایک حصے پر نہ ہو بلکہ مختلف جگہوں پر ہو۔

---

(1)۔ صنعانی، ابی بکر عبد الرزاق بن ھمام، مصنف عبد الرزاق (بیروت، المکتب الاسلامی، الطبعۃ الثانیۃ) ح:13516، 7/369

(2)۔ الاھوانی، ڈاکٹر احمد فواد، التربیۃ فی الاسلام (القاھرہ، دار المعارف) ص:135

2۔ دو ضربوں کے درمیان کچھ وقفہ ہو۔ پے در پے ضرب نہ لگائی جائے تا کہ پہلی ضرب کا درد کچھ کم ہو جائے۔

3۔ مارنے والا اپنے ہاتھ کو اتنا بلند نہ کرے کہ اس کی بغل ظاہر ہو اور مضروب کو شدید تکلیف محسوس ہو۔[1]

آخری حد تین مرتبہ مارنا ہے

بچوں کو تہذیب و تأدیب کے لئے تین مرتبہ سے زیادہ نہیں مارنا چاہیے۔ اگرچہ مار کی زیادہ سے زیادہ مقدار دس مرتبہ ہے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لاَ يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ))[2]

ترجمہ: کسی شرعی حد کے علاوہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارا جائے۔

امام بخاری نے اس حدیث کو (التعزیر والادب) کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ اور صحیح بخاری کی شارح علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ترجمۃ الباب میں ادب سے مراد تأدیب ہے کیونکہ اس کا عطف تعزیر پر ہے۔ اور تعزیر معصیت و نافرمانی پر ہوتی ہے اور یہ تأدیب عام ہے۔ جو کہ باپ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور استاد کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا عُقُوبَةَ فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ))[3]

ترجمہ: شرعی حد کے علاوہ کسی بھی سزا میں دس کوڑے سے تجاوز نہ کیا جائے۔

"قاضی شریحؒ کی رائے کے مطابق قرآن مجید کی غلطی پر صرف تین مرتبہ مارا جا سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں"[4]

"اسی طرح امام ضحاکؒ فرماتے ہیں جو استاد اپنے شاگرد کو تین مرتبہ سے زیادہ مارے گا تو اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا"[5]

ان ادلّہ سے معلوم ہوا کہ بچوں کو عام تأدیب کے لئے صرف تین مرتبہ ہی سزا دی جا سکتی ہے۔ اگر اس سے زیادہ سزا دی جائے تو ظلم شمار ہو گی۔ اس سے ان اساتذہ کی بھی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے جو طالب علموں کے بارے

---

(1)۔ الانبابی، شمس الدین محمد بن محمد، ریاضۃ الصبیان (بیروت، دار البشائر الاسلامیہ، الطبعۃ الاولیٰ: 2011) ص: 44

(2)۔ بخاری، الصحیح البخاری، کتاب الحدود، باب: التعزیر والادب، ح: 6848، ص: 1180

(3)۔ عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری (ریاض، دار السلام، الطبعۃ الاولیٰ 2000) ح: 6848، 12/217

(4)۔ محمد نور بن عبد الحفیظ، تربیت اولاد کا نبوی انداز اور اس کے زرّیں اصول، ص: 296

(5)۔ ابن ابی الدنیا، کتاب العیال، 1/531

نرمی اور شفقت کے پہلو کو بالکل بھول جاتے ہیں اور ہر وقت ان کے ہاتھ میں لاٹھی یا ڈنڈا ہوا کرتا ہے۔ اور ذرا ذرا سی بات پر طالب علموں کی خوب خبر لیتی ہے۔ اور جانوروں کی طرح بے دردی سے ان پر لاٹھیاں برسا دیتے ہیں۔ ایسے اساتذہ کے لئے طالب علموں کے دلوں میں محبت کبھی بھی پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ہر وقت اس استاد سے اپنی جان چھڑانے کا سوچتے ہیں۔ استاد کو حتی الامکان محبت اور شفقت کا روّیہ اختیار کرنا چاہیے اور اگر انتہائی مجبوری ہو جائے تو صرف تین مرتبہ ہی مارنا چاہیے۔

اگر بچہ اللہ تعالیٰ کا نام لے تو فوراً چھوڑ دینا چاہیے

یہاں یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ مار کی مشروط اجازت صرف اس لئے ہے کہ مطلوب مقصد کے لئے مار ناگزیر ہو گئی ہے۔ وگرنہ ابتداء میں ہی مارنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ لیکن جب بچے کو مارا جائے تو وہ درد کی احساس سے یا خوف کی وجہ سے اللہ کا واسطہ دے دے تو فوراً اسے چھوڑ دینا چاہیے اس کے بعد کوئی بھی سختی کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَذَكَرَ اللَّهَ فَارْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ))[1]

ترجمہ: تم میں سے جب کوئی اپنے خادم کو مارنے لگے اور وہ اللہ کا نام نامی لے لے۔ تو اس سے اپنے ہاتھ کو روک لو۔

اس حدیث سے ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے کہ ہو سکتا ہے بچہ اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنے آپ کے بچانے کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ اور اس طرح اگر بچے کو چھوڑ دیا گیا تو وہ اس بات کا عادی بن جائے گا اور اس کی تأدیب نہیں ہو سکے گی جس سے وہ بری عادات اور خطاؤں کا عادی بن جائے گا۔ تو اس شائبہ کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے حکم اور حدیث پر عمل کرنے میں زیادہ فائدہ ہے۔ اس طرح بچے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بیٹھ جائے گی اور مارنے والے کے غصے کا بھی بہترین علاج ہو جائے گا کہ اس نے اللہ کے نام کا احترام کیا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض تعلیمی اداروں میں بچہ استاد کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ بھی دیتا ہے اور وہ پھر بھی سزا دیتے رہتے ہیں تو یہ کمزور ایمان کی علامت ہے اور اور ایسے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت نے خوب جگہ نہیں پکڑی۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب کرے۔

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اسلام نے بچے کی تہذیب اور اصلاح کے لئے بھی مارنے سے پہلے کتنے اسالیب اور طریقے بتلائے ہیں۔ لیکن اگر وہ سب ناکام بھی ثابت ہوں تب بھی مارنے کی اس قدر کڑی شرائط عائد کی ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے اس اسلوب پر عمل کرنے سے بچے کی تربیت پر انتہائی اچھا اثر پڑے گا۔ اسے

---

(1)۔ ترمذی، جامع الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی ادب الخادم، ح:1950، حکم الحدیث ضعیف، 4/ 337

زندگی اور اس کی قدر و قیمت کی حساسیت کا احساس ہو گا۔ بچے کی تربیت میں روز بروز ترقی ہو گی اور وہ کمال کی طرف آسانی سے بڑھے گا۔

فصل سوم

جسمانی تأدیب کی نوعیت اور حکمتیں

اسلامی نقطہ نظر سے سزا مقصود بالذّات چیز نہیں۔ اس لئے عام اور ساز گار حالات میں سزا کی بحث پیدا ہی نہیں ہوتی۔ لیکن جب حالات ناساز گار ہوتے جائیں اور سزا کی ضرورت محسوس ہونے لگے تو اس صورت میں بھی اسلام سزا دینے سے ابتداء نہیں کرتا بلکہ سزا دینے سے پہلے اس کے مقدمات ہیں۔ سزا اسی صورت میں دی جاسکے گی کہ اس سے پہلے اسکے سارے مقدمات پورے کر لئے جائیں۔

تأدیب سے قبل کے مقدمات

تأدیب سے پہلے انذار

استاد، والد یا کسی بھی مربی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ اگر کوئی بچہ غلطی کرے تو اسے فوراًمارنا شروع کر دے۔ بلکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق وہ ایسا ماحول پیدا کرے کہ جس میں بچے کی غلطی کا امکان از خود کم سے کم ہو جائے۔ استاد یا والد کے لئے مستحسن ہے کہ وہ ڈنڈا یا کوئی ایسی چیز کہ جس سے سزا دینا عرف میں معروف ہو اسے دیوار یا کسی ظاہری جگہ پر لٹکائے تاکہ بچوں کی اس پر نظر پڑے اور وہ متنبہ رہیں کہ اگر انھوں نے غلطی کی یا کوئی غلط کام کیا تو ان کو اس سے سزا مل سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((عَلِّقُوا السَّوْطَ حَيْثُ يَرَاهُ أَهْلُ الْبَيْتِ فَإِنَّهُ لَهُمْ أَدَبٌ))[1]

ترجمہ: کوڑا وہاں لٹکاؤ کہ جہاں سے گھر والے اس کو دیکھ سکیں۔ یہ ان کو ادب سکھانے کا طریقہ ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بچوں کو غلطی کرنے اور پھر اس کی سزا لینے سے پہلے ہی انذار کے ذریعے ایسے ماحول کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ جس میں غلطی کا امکان از خود نہ رہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس کو مارنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اصل مقصود کو حاصل کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ ادب سیکھ لیں۔ اور آخری درجہ میں جو مار ہے اس کا بھی یہ ہی مقصد ہے کہ آپ ﷺ نے مارنے کا ارادہ بھی نہیں فرمایا وگرنہ آپ ﷺ لٹکانے کی جگہ مارنے کا حکم دیتے۔ ابن انباریؒ کہتے ہیں:

"لم يرد به الضرب به لأنه لم يأمر بذلك أحدا وإنما أراد لا ترفع أدبك عنهم"[2]

---

(1)۔ صنعانی، مصنف عبد الرزاق، باب ضرب النساء والخدم، ح:17963، 9/447

(2)۔ المناوی، زین الدین محمد المدعو، فیض القدیر (مصر، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، الطبعۃ الاولیٰ) باب حرف العین 4/325

ترجمہ: اس میں آپ ﷺ کا ارادہ مارنے کا نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے کسی کو مارنے کا حکم صادر نہیں فرمایا بلکہ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ ان کو ادب سیکھانا نہ چھوڑو۔

حدیث کے الفاظ (یراہ اھل البیت) میں حکمت ہی انذار ہے وگرنہ کوڑا سامنے لٹکانا بے سود ہے۔ بچے جب اسے دیکھیں گے تو برے کاموں سے رکے رہے گے تاکہ ان کو جسمانی سزا نہ ملے (فان لھم ادبٌ) میں حکمت یہ ہے کہ ڈنڈا ان کو ادب سیکھاتا رہے گا اور حسن خلق اور اعلیٰ خوبیاں اپنانے پر ان کو ابھارتا رہے گا۔

انذار ذریعہ تأدیب

کسی کام کے انجام پر سزا کا تصّور ایک ایسی سوچ ہے کہ جو انسان کو اس کام سے باز رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا اور وہ ان کی نفسیات سے بھی خوب واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مجرمین کو خبردار کرنے اور دیگر لوگوں کو ایسے کاموں سے روکنے کے لئے سزا کے ذریعے سے ڈرایا ہے۔ بلکہ قران مجید میں سب سے زیادہ جس چیز سے ڈرایا گیا ہے وہ سزا ہی تو ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ نے آگ کا ذکر کر کے ڈرایا ہے تو کہیں فرشتوں کے ذریعے پٹائی کا ذکر فرمایا ہے، زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو انھی کے مال سے جلانے اور داغنے کا ڈراوا ہے۔ تو کہیں قیامت کے دن کی سختی بیان کر کے کو گوں کو برے کاموں کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ قرانِ کریم میں جنھوں کی حالت کیفیت، خوراک اور لباس کے بارے ایسی تفاصیل ہیں کہ جن کو پڑھ کر یا سن کر رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انسان میں برائی کا تصّور تک پیدا نہیں ہوتا۔

احادیث میں تو قبر سے لے کر حشر تک کی مکمل بیان تفصیلاً موجود ہے۔ جہاں نیک لوگوں کے لئے خوشخبریاں ہیں وہیں پر گناہ گاروں کی شدید اور سخت سزاؤں کا بھی تذکرہ موجود ہے۔ احادیث میں تو قبر کی پہلی رات سے ہی خبر داری یا خوشخبری مل جانے کا بیان ہے۔ واقعہ معراج میں آپ ﷺ نے خود جہنم کو دیکھا اور پھر اس میں انسانوں کا جو حال تھا اور جن وجوہات کی بناء پر تھا سب بیان فرمایا جو کہ ایسی کیفیت ہے کہ سن کر انسان میں برائی کی سکت باقی نہیں رہتی۔

اس سب تفصیل کا مقصود یہ ہے کہ اسلام نے سزا سے پہلے سزا سے ڈرایا ہے۔ اور انجام سے خبردار کیا ہے لیکن جب ڈرانے کی باری آئی ہے تو سزا کے ذریعے سے ہی انسان کو ڈرایا گیا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ انسان سیدھا اسی بات سے ہوتا ہے کہ جس سے اسے کسی طرح کا نقصان ہو۔ جس چیز سے کسی طرح کا نقصان نہ ہو تو اس سے ڈرانا یا والوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے اگر ڈرایا ہے تو جسمانی سزا کے ذریعے ہی ڈرایا ہے۔ انذار ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے جب بھی اللہ تعالیٰ نے مجرموں کو سیدھے راستے پر لانے اور سیدھے راستے پر چلنے والوں کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے اگر ڈرایا ہے تو جسمانی سزا کے ذریعے ہی ڈرایا ہے۔

انذار کے مختلف انداز

اللہ تعالیٰ نے بعض جگہ انذار کے لیے ایسے الفاظ و انداز استعمال کیے ہیں کہ جو عموماً اور عرفاً انذار اور ڈرانے کے لئے نہیں ہوتے۔ یہ انذار بہت سی حکمتوں کو شامل ہوتا ہے۔ عرف میں یہ معروف ہے کہ جس چیز کی خبر عام طور طریقے سے دی جائے تو اس کا اثر بھی عموم کی طرح ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی خبر یا چیز کے بارے اطلاع اس کی ضد سے دی جائے تو اس کا اثر کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾[1]

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کو سخت عذاب کی خوشخبری دے دیں۔

عذاب کے ساتھ بشارت کا استعمال عام طور پر عرب میں نہیں ہوتا تھا۔ امام جصاصؒ لکھتے ہیں:

"وَلَا يَقُولُونَ ذَلِكَ فِي الشَّرِّ وَفِيمَا يَغُمُّ. وَإِنَّمَا يَقُولُونَهُ فِيمَا يَسُرُّ وَيُفْرِحُ"[2]

ترجمہ: اور وہ (عرب) برائی اور غم کی اطلاع میں (بشارت کا لفظ) استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ فرحت دینے اور خوش کرنے والے خبر کے لئے استعمال کرتے تھے۔

اگر کسی کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنا ہوتا اور اس کی جسمانی سزا سے قبل اس کو ڈرانا اور اس کام سے منع کرنا ہوتا تو پھر اس انداز کو اختیار کیا جاتا تاکہ اس شخص کے اندر اپنے کام کے بارے نفرت پیدا ہو جائے اور اپنے افعال سے رک جائے تاکی اس فعل بد کے انجام اور سزا سے بچ جائے۔

مشہور عرب شاعر معدی کرب[3] نے اپنے ایک شعر میں اس انداز کو اختیار کیا ہے:

"و خيل قد دلفت لها بخيل تحية بينهم ضرب و جيع"[4]

ترجمہ: اور ایسے گھوڑے لے کر میں ان گھوڑے کے قریب ہوا جن کی آپس کی دعا و سلام دردناک ضربیں ہیں۔

معلوم یہ ہوا کہ شاعر دردناک ضرب کو دعا و سلام کہہ کر ضرب اور حرب کی شدت میں اور اسکی کیفیت کی سنگینی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تاکہ اس کی ہیبت بڑھ جائے۔ عموماً اچھی چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے اور بری چیز یا انجام سے خبردار کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بھی عمومی اسلوب یہ ہی ہے۔ لیکن بعض مقامات پر عذاب کو خوشخبری

---

(1)۔ التوبۃ:3

(2)۔ الجصاص، ابی بکر احمد بن علی الراضی، احکام القرآن (بیروت، دار احیاء التراث، 1992) 1/35

(3)۔ ابو ثور یمن کا شاہسوار، عرب کا خطیب، قادسیہ کا فاتح، 535ء میں پیدا ہوا اور 643 میں فوت ہوا۔ اسلام قبول کیا اور میدان جہاد میں شہادت پائی۔

(4)۔ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر (بیروت، دار المعرفۃ، الطبعۃ الرابعۃ، 2007) 1/240

کے ساتھ بیان اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کی شدّت میں اضافہ ہو۔ اور سننے والے پر مزید گراں گزرے۔ اگر انسان اس کام میں مبتلاء ہے تو چھوڑ دے اور اگر نہیں کرتا تو اس کے قریب بھی نہ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح مجرموں کو سزا دینے سے پہلے مختلف انداز میں ان کی اصلاح فرمائی ہے اور ڈرانے اور انذار کے ذریعے حتی الامکان ان کو سزا سے بچانے کی کوشش کی ہے کہ سزا سے پہلے طالب علم کو ہر طرح سے سمجھایا جائے۔ اور سزا سے زیادہ اصلاح پر توجہ رکھے۔ مجرمین کے بارے اگر اللہ تعالیٰ کا انداز اتنا نرم اور شفقت والا ہے تو طالب علم اور زیر تربیت بچے تو اس کے کئی گنا زیادہ حقدار ہیں۔

سب کے بجائے بعض کی تأدیب

چونکہ سزا بالذّات خود نہ تو مقصود ہے اور نہ ہی مستحسن ہے بلکہ یہ مقصد کو حاصل کرنے کا ایک آخری ذریعہ ہے۔ اس لئے اسلام سب کو سزا دینے کی بھی تحسین نہیں کرتا بلکہ سزا دینے میں بھی حد بندی کرتا ہے اور اس چیز کی تعلیم دیتا ہے کہ سزا اس بقدر ہو کہ اصل مقصد حاصل ہو جائے۔ اسی کی ایک صورت یہ ہے کہ کلاس میں یا تعلیم و تعلّم کے کسی بھی مرحلے میں اگر کچھ لوگ یا بچے ایک طرح کی ہی غلطی کر رہے ہیں تو بعض کی تأدیب کر دی جائے اور باقیوں کو ان کے ذریعے عبرت دلا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے زانیوں کو سزا دیتے وقت لوگوں کو جمع کر کے مجمع عام[1] میں سزا دینے کا اس لئے کہا ہے کہ دیگر لوگ ان سے عبرت حاصل کر لیں۔ تاکہ حکومت یا مقتدر لوگ باقی لوگوں کا بھی اس وقت تک انتظار کریں کہ جب تک وہ گناہ نہ کر لیں اور ان کو بھی سزا ملے۔ بلکہ بعض کو جن سے جرم سرزد ہو گیا ہے اب ان کی تأدیب کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لئے عبرت بھی بن جائیں اور ان افعال و اقوال سے وہ بھی باز رہیں کہ جن کی وجہ سے ان لوگوں کو یہ سزا برداشت کرنا پڑی۔

اصل سزا سے پہلے ہلکی سزا کا اصول

اسلام میں قوانین وضع کرنے کا اہم مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نفع دیا جائے اور نقصان کو ان سے دور کیا جائے۔ اسی قانون اور مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے سزا کی نوعیت بھی ایسی رکھی ہے کہ اس کی ضرورت کم سے کم پیش آئے اور اس کا استعمال بھی صرف ناگریز حالت میں ہی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سزا اور عقاب کے بارے قرآنِ حکیم میں ایک جامع اصول بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾[2]

---

(1)۔وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ(النور:2)

(2)۔السجدہ:21

ترجمہ: اور یقیناً ہم انھیں قریب ترین عذاب کا کچھ حصہ سب سے بڑے عذاب سے پہلے ضرور چکھائیں گے، تا کہ وہ پلٹ آئیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معلمین اور مربی حضرات کے لئے ایک عمدہ اصول بیان کر دیا ہے کہ کسی بھی طالب علم یا زیر تربیت بچے سے اگر کوئی غلطی ہو جائے یا وہ کوئی کام نہ کرے تو اس کو فوراً سزا نہیں دینی چاہیئے کیونکہ سزا اس کی غلطی کا بدلہ نہیں ہے بلکہ اس کی غلطی کی اصلاح کا ذریعہ ہے۔ اس سے پہلے ہلکی ڈانٹ، ڈپٹ یا ہلکی سی سزا سے امتحان لے لیا جائے کہ وہ سزا سے اصلاح کرنے والا ہے بھی کہ نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے اتنے بڑے مجرموں کو ہلکی پھلکی سی سزا دے کر ان کو ان کے برے انجام اور ہمیشہ کی ناکامی سے بچانا چاہتے ہیں تو بچے اس چیز کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ بطور استاد کئی مرتبہ مشاہدے میں آیا ہے کہ طالب علم کی ہلکی سی غلطی پر اساتذہ سخت تشدد کر دیتے ہیں۔ جس سے طالب علم ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اصول یہ دیا ہے کہ کسی بھی گناہ گار کو سیدھے راستے پر لانے کے لئے پہلے اسے اس کے جرم کے بقدر سزا نہیں دینی بلکہ ہلکی تأدیب سے شروع کرنا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی مفہوم کو بیان کیا ہے۔

"مصائب الدنيا وأسقامها وبلاؤها مما يبتلي الله بها العباد حتى يتوبوا" [1]

ترجمہ: اس سے مراد دنیا کی مصیبتیں، بیماریاں، اور آزمائش ہیں جن میں اللہ تعالیٰ بندوں کو مبتلاء کرتا ہے تا کہ وہ توبہ کر لیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ نے اس آیت کی روشنی میں اسی اصول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصل مقصد سزا دینا نہیں بلکہ اصل مقصد اصلاح ہے اگر وہ کم تأدیب سے ہو سکتی ہے تو زیادہ کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ علامہ عبد الرحمٰن کیلانیؒ کہتے ہیں:

"اس طرح شاید وہ بد اعمالیوں اور آخرت میں ان کے برے انجام سے بچ جائے" [2]

جرم کے بقدر سزا

اسلام میں اصلاح اور تأدیب کے لئے سزا مختلف نوعیت کی ہے۔ سزا کا ایک خاص مطلب جو ہمارے عرف میں عام ہے۔ اسلام کا تصوّرِ سزا اس سے جامع ہے۔ ہمارے عرف میں سزا کا جو تصوّر ہے ان میں سے بعض سزائیں ایسی ہے جن سے بعض اوقات اصلاح سے زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے ہاں عملی طور پر یہ طریقہ موجود ہے کہ مجرمین کو جس میں رکھا جاتا ہے کہ اس سے ان کا جسمانی نقصان ہو جاتا ہے۔ یا وہ شخص ذہنی طور پر جرم کا مزید

---

(1)۔ الطبری، محمد بن جریر بن یزید، تفسیر الطبری (موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ) 18/ 627

(2) کیلانی، عبد الرحمٰن کیلانی، تیسیر القرآن (لاہور، مکتبۃ السلام) 3/ 254

عادی ہو جاتا ہے، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کا گناہ یا جرم اتنا سخت ہوتا نہیں ہے جتنی اس کو سزا دے دی جاتی ہے۔ جس سے اس کے دل میں انتقام پیدا ہو جاتا ہے۔ نتیجاً وہ اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے مزید کئی جرائم اور برائیوں میں ملوّث ہو جاتا ہے۔

طالب علم اور زیرِ تربیت بچوں کے ساتھ اسلام نے نہایت نرم رویّہ رکھنے کی تلقین کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے طالب علم کو خوش آمدید کہا ہے۔ اسے مہمان سے تعبیر کیا ہے۔ طالب علم کا اپنا مقام و مرتبہ ہے۔ اسلام تو مجرم اور گناہ گار کو اس کے گناہ اور جرم سے بڑھ کر سزا دینے سے روکتا ہے۔ مجرم کو عملی طور پر بھی بطور اصلاح اتنی ہی سزا دیتا ہے کہ جتنا اس کا جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ جاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثالِها وَمَنْ جاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلا يُجْزى إِلاَّ مِثْلَها وَهُمْ لا يُظْلَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: جو نیکی لے کر آئے گا اس کیلئے دس گنا ہے اور برائی لے کر آیا اس کیلئے اسی قدر بدلہ ہو گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت میں رفق اور نرمی کی اعلیٰ مثال ہے کہ اگر کسی شخص نے نیکی کی تو اللہ تعالیٰ اس کے خلوصِ نیت کی بنیاد پر اس نیکی سے کئی گنا بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہو گا۔ لیکن دوسری طرف اگر کسی شخص نے جرم کیا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اس جرم سے زیادہ عذاب یا سزا نہیں دیں گے بلکہ اس کے لئے صرف اتنا ہی عذاب یا سزا ہو گی کہ جس کا وہ حق دار ہو گا۔ اس آیت کی تفسیر میں اکثر علماء نے "سیئۃٍ" سے مراد شرک لیا ہے۔ اس سے بھی یہ اصول ملتا ہے کہ اللہ تعالی کے ہاں سب سے ناپسندیدہ اور بڑے گناہ کے مرتکب پر بھی ظلم نہیں ہو گا بلکہ وہ اسی کا بدلہ پائے گا جو اس نے کیا ہو گا۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"لَا يُظْلَمُونَ بِنَقْصِ ثَوَابِ حَسَنَاتِ الْمُحْسِنِينَ، وَلَا بِزِيَادَةِ عُقُوبَاتِ الْمُسِيئِينَ"[2]

ترجمہ: ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا نہ تو نیک لوگوں کی نیکیاں کم کر کے اور نہ ہی ظالموں کی سزا بڑھا کر۔

بعض اوقات طالب علم ایسی غلطی کرتے ہیں کہ اس پر سزا دینا ضروری ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں بھی سزا صرف اسی وقت دی جائے کہ جب سزا کے مقدمات مکمل آزما لیے جائیں۔ اگر یہ سب بے کار ثابت ہوں تو اس صورت میں سزا دی جا سکتی ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی وہی اصول اپنایا جائے گا کہ جس قدر طالب علم یا زیرِ تربیت بچے کی غلطی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ استاد یا مربی اپنا ذاتی غصہ بھی اس میں شامل کر دے۔ اور طالب علم کے حق میں زیادتی ہو جائے جس سے اصل مقصد فوت ہو جائے۔ امام قرطبیؒ اس ضمن میں رقم پرداز ہیں:

---

(1) الانعام:160

(2)۔ الشوکانی، فتح القدیر، 2/209

"فَلا يُجْزى إِلَّا مِثْلَها وَهُوَ الْخُلُودُ فِي النَّارِ لِأَنَّ الشِّرْكَ أَعْظَمُ الذُّنُوبِ وَالنَّارَ أعظم العقوبة فذلك قول تَعَالَى: جَزاءً وِفاقاً يَعْنِي جَزَاءً وَافَقَ الْعَمَلَ"[1]

ترجمہ: انھیں جرم کے مطابق سزا دی جائے گی جو کہ آگ ہے کیونکہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے اور آگ سب سے بڑا عذاب اس لئے اللہ تعالیٰ نے کہا "جَزَاءً وِفَاقًا" یعنی عمل کے مطابق ہی بدلہ۔

اللہ تعالیٰ کی اس سنت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ طالب علم ہو یا کوئی بھی زیر تربیت بچہ ناگزیر حالت میں بھی اسے اس کے عمل سے زیادہ سزا دینا درست نہیں ہے۔ بلکہ وہ طالب علم پر ظلم ہوگا۔ سزا جرم سے موافق بھی اسی صورت میں ہوگی کہ سزا دیتے وقت عدل و انصاف کیا جائے اور اپنی ذاتی رائے یا غصے اور انتقام کو شامل نہ کیا جائے۔ اسی طرح اگر جرم ایسا ہے کہ جس کی سزا دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہے تو اس صورت میں بھی طالب علم کو تعزیر کہ حد سے بڑھ کر سزا نہیں دی جاسکتی۔

اسلام میں سزا کا تصوّر

اسلام کا عمومی مزاج یہ ہے کہ اسلام انسانوں کو عقیدے تک کی مکمّل آزادی دیتا ہے۔ کسی کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ زبردستی اسلام قبول کرے اور اپنے آپ کو اسلام میں داخل کردے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾[2]

ترجمہ: دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

اس آیت میں اسی آزادی کی طرف اشارہ ہے کہ کسی کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ان تمام تر آزادیوں اور عقل دینے کے بعد اچھے برے کے انتخاب کی قدرت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ انسانوں کی مصلحتوں کو پامال کرے۔ وہ معاشرے اور سماج کیلئے مسائل بنائے۔ امن و امان کے ساتھ درست سمت میں جانے والے معاشرے میں تخریب کرے۔ انسانوں کی ان مصلحتوں میں فتور یا تو اس کے دین کو خراب کرکے ڈالا جائے گا۔ یا تو انسانوں کی جانوں کو ضائع کرکے، ان کے مال میں لوٹ کھسوٹ کر کے ان کی عزت و آبرو پر حملہ آور ہو کر یا عقل انسانی کو خراب کرکے مصلحتیں تباہ ہوں گیں۔

یہ وہ مصالح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں خرابی پیدا کرنے والے کو آزادی نہیں دی بلکہ فوراً اس کا تدارک کرنے کا حکم دیا ہے۔ امام غزالیؒ اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور ان کو مقاصد شریعت سے تعبیر کرکے ان کے بیان کے بعد لکھا ہے:

---

(1)۔ القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لاحکام القرآن (القاھرہ، دار الکتب المصریۃ، الطبعۃ الثانیۃ) 7/ 151

(2)۔ البقرۃ:256

"هذه الاصول الخمسة حفظها واقع في رتبة الضرورات، فهي اقوي المراتب في المصالح"[1]

ترجمہ: ان پانچ اصولوں کی حفاظت "ضروریات" میں سے ہے۔ اس لئے کہ یہ انسانی مصلحتوں کے اعلیٰ درجے میں ہیں۔

اگر ان چیزوں پر غور کریں اور دیکھیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ ان سب چیزوں کا تعلق انسانی معاشرے میں امن کے قیام اور سماج میں برائی کے خاتمے سے ہے۔ یعنی ان امور کا براہِ راست تعلق انسانوں سے ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ جب انسان ان مصالح کو خراب کرتا ہے کہ جس کا تعلق خود انسانوں کے فلاح و بہبود سے اور ان کے امن وامان سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی درستی کا کونسا راستہ بتلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کیلئے جن احکامات پر عمل کا حکم دیا ہے۔ وہ سزائیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ذریعے یہ حکم انسانوں کو دیا ہے کہ ایسے لوگوں کو سزا کے زریعے ان کے افعال سے ان کو منع کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی صرف سزا ہی نہیں بتلائی بلکہ سزا کے ساتھ ساتھ اس کے مقاصد بھی بیان کئے ہیں اور اس میں پوشیدہ حکمتوں کے حصول کو لازماً مد نظر رکھنے کا حکم دیا ہے۔

اسلام نے سزا کا ایسا تصّور نہیں پیش کیا کہ جس میں ہر مجرم کو جسمانی سزا دی جائے بلکہ جرم اور سزا میں ایک خاص مناسبت کا بھی خیال رکھا ہے۔ ان مصلحتوں کے بگاڑ پر اللہ تعالیٰ نے مختلف نوعیت کی سزاؤں کا حکم دیا ہے۔ جو دین کو چھوڑے اس کو قتل کرنا ہے۔ جو کسی کی جان لے گا وہ قصاص بھی دے گا، جو کسی کے نسب میں خرابی پیدا کرے گا وہ رجم ہو گا۔ جو کسی کے مال کو محارب بن کر قبضہ میں لے گا تو اسلام اسے حرابہ کی سزا دے گا اسی طرح جو نشے کے زریعے اپنے ہی عقل کو خراب کرے گا تو وہ بھی اپنے "سکر" کی سزا پائے گا۔

امام غزالیؒ ان سزا کے تصّور اور اسرار کے بارے لکھتے ہیں:

"قضاء الشرع بقتل الكافر المضل و عقوبة المبتدع الداعي الي بدعته، فان هذا يفوت علي الخلق دينهم، وقضاؤه بايجاب القصاص ادبه حفظ النفوس، وايجاب حد الشرب اذ به حفظ العقول التي هي ملاك التكليف وايجاب حد الزنا اذ به حفظ النسل والانساب، و ايجاب زجر الغصاب والسراق اذ به يحصل حفظ الاموال التي هي معاش الخلق و تحريم تفويت هذه الاصول الخمسة والزجر عنها يستحيل ان لا تشتمل عليه ملة من الملل و شريعة من الشرائع التي اريد بها اصلاح الخلق"[2]

---

(1)۔ الغزالی، ابی حامد محمد بن محمد، المستصفیٰ من علم الاصول (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثالثۃ) باب الاستصلاح، ص:275

(2)۔ الغزالی، المستصفیٰ من علم الاصول، باب الاستصلاح، ص:276

ترجمہ: شریعت نے اس کافر کو جو لوگوں کو گمراہ کر رہا ہو قتل کرنے اور اس بدعتی کو جو لوگوں کو اپنی بدعت کی طرف بلائے، سزا دینا کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح انسانوں کی جانوں کی حفاظت کے لئے قصاص کا حکم دیا ہے۔ عقل کی حفاظت کے لئے شراب نوشی پر سزا لازم کی ہے۔ زنا پر حد واجب ہے تا کہ نسل و نسب کی حفاظت ہو سکے۔ اموال کی حفاظت کیلئے چوروں اور ڈاکوؤں کیلئے سر زنش کا ذکر حکم ہے۔ یہ مال لوگوں کی معیشت ہے اور وہ اس کیلئے محتاج ہے۔ ان پانچوں اصولوں کو پامال کرنے کے ممانعت اور اس پر سزا کا تصوّر دنیا کے ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔

جسمانی تأدیب مقصود بالذّات نہیں

اسلام کا لفظ ہی سلامتی سے تعبیر ہے اور اسلام قبول کرنے اور پھر اس پر کامل یقین رکھنے اور اس کے احکامات پر مکمل والے شخص کو مومن کہتے ہیں جس کا مادہ اور اصل بھی امن و رفق سے ماخوذ ہے۔ اسلام کا ایک خاص مزاج ہے جس کا عمومی اور اجمالی تصوّر یہ ہے کہ "لوگوں سے مشکلات کو دور کیا جائے اور نفع زیادہ سے زیادہ دیا جائے" اس کے لئے اسلام نے خاص اصول دئے ہیں۔ اگر بندہ ان پر عمل کرے اور بغیر کسی تخریب کے اس عمومی مقصد کی راہ میں نہ تو خود رکاوٹ ہو اور نہ دوسروں کو بنائے تو اسلام اس کے لئے امن مہیا کرتا ہے۔ اس پر کسی قسم کی سختی نہیں کرتا۔

اسلام سزا کا تصوّر ان ناگزیر حالات میں دیتا ہے کہ جب امن کے قیام اور معاشرے کے استحکام کے سزا سے پہلے کے سب طریقے آزمالئے جائیں اور وہ ناکام ثابت ہوں۔ اگر میاں بیوی کے درمیان اختلافات شدید ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے سزا سے پہلے دیگر طریقوں سے اصلاح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ﴾[1]

ترجمہ: ان کو نصیحت کرو اور بستر میں علیحدگی اختیار کرو اور ان کو مارو۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سزا اصل مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصود "اصلاح" ہے۔ اگر یہ اصلاح سزا سے پہلے کہہ دینے سے ہو جائے، یا حکمین مقرر کرنے سے ہو جائے یا بستر علی حدہ کرنے سے ہو جائے تو سزا کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ سزا کو اس طرح آخر میں ذکر کرنا اور پھر دیگر ذرائع سے اصلاح ہو جائے تو سزا کو بالکل موقوف کر دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ سزا مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود کو حاصل کرنے کا ایک آخری ذریعہ ہے۔ علامہ کاسانیؒ نے سزا اور مقصودِ سزا کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اصل مقصد اصلاح ہے نا

(1)۔النساء:34

کہ سزا، اصلاح کو تعزیر کی کسی بھی صورت کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے جس کا آخری حربہ جسمانی سزا ہے۔ لکھتے ہیں:

"فتعزير اشراف الاشراف بالاعلام المجرد، وهو ان يبعث القاضى امينه اليه فيقول له: بلغنى انک تفعل كذا و كذا، و تعزير الاشراف بالاعلام والجرّ الى باب القاضى و الخطاب بالمواجهة، و تعزير الاوساط باالاعلام والجر والحبس، و تعزير السلفة بالاعلام والجر والضرب والحبس لان المقصود من التعزير هو الزجر، واحوال الناس فى الانزجار علي هذه المراتب"[1]

ترجمہ: چناچہ خاص الخواص کو قاضی صرف یہ خبر دے کہ تم نے فلاں فلاں کام کیا ہے تو اس کے لیے اتنی سزا ہی کافی ہے۔ اور خاص لوگوں کو خبر دینا اور عدالت میں بلانا کافی ہوتا ہے اور بعض کو عدالت میں حاضری کے ساتھ قید بھی کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ بعض کو خبر کے ساتھ ساتھ عدالت میں حاضر کرنا مارنا اور قید کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ سزا کا مقصد غلطی سے روکنا ہے اور غلطی سے رکنے میں لوگوں کی حالات وکیفیات مختلف ہوتی ہیں۔

سزا کے اسی تصور کو اللہ تعالیٰ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ﴾[2]

ترجمہ: اے عقلوں والوں! تمہارے لئے بدلہ لینے میں ایک طرح کی زندگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی قصاص جیسی بظاہر سخت اور سنگین ساز کو زندگی سے تعبیر کیا ہے۔ تو اس سے بھی بادی النظر میں یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ اگر قصاص اپنی ذات میں مقصود ہوتا تو وہ زندگی کبھی نہ ہوتا۔ بلکہ جان کے بدلہ ایک دوسری جان کا ضیاع ہوتا۔ دیگر لوگوں کا اس میں کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اسی طرح قصاص سے قبل دیت اور معافی کا مشروع ہونا بھی اس بات کی قوی مؤید ہے کہ کسی کی جان نکالنا اصل مقصود نہیں بلکہ یہ دیگر لوگوں کی جانوں کو محفوظ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"هذا من الكلام البليغ الوجيز ان القصاص اذا اقيم و تحقق الحكم فيه ازدجر من يريد قتل اخر، مخافة ان يقتص منه فحييا بذلك معاً"[3]

ترجمہ: یہ آیت فصاحت اور بلاغت کا نمونہ ہے جب قصاص کو قائم کیا جاتا ہے تو قتل کا ارادہ رکھنے والا اس خوف سے قتل سے باز آجاتا ہے کہ بدلے میں اسے بھی قتل کر دیا جائے گا اس طرح دونوں بچ جاتے ہیں۔

---

(1)۔ الکاسانی، ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (بیروت، دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الثانیۃ) باب فی صفۃ التعزیر، 7/64

(2) البقرۃ:179

(3)۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، /256

اسی طرح فرماتے ہیں:

"كانت العرب اذا قتل الرجل الاخر حمي قبيلاهما وتقاتلوا، و كان ذلك داعيا الي قتل العدد الكثير، فلما شرع الله القصاص قنع الكل به و تركوا الاقتتال، فلهم في ذلك حياةٌ"[1]

ترجمہ: عرب میں جب کوئی شخص قتل ہوتا تو دونوں قبیلے بھڑک اٹھتے اور دونوں جنگ شروع ہو جاتی اس طرح کثیر تعداد میں لوگ مر جاتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قصاص کو فرض کیا تو سب قانع ہو گئے اور انھوں نے باہم لڑائی بند کر دی اس طرح ان کیلئے یہ (قصاص) زندگی ثابت ہوئی۔

تعلیم میں تأدیب کا مقصود

اسلام کے عمومی مزاج کو دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر اسلام مجرموں اور سنگین قسم کے گناہوں میں مبتلا اور عادی لوگوں کو سزا دیتے ہوئے بھی ان کی ذات سے انتقام کا تصوّر یکسر رد کرتا ہے۔ سزا کو مجرم کے مطابق نہیں بلکہ جرم کے مطابق کا تصوّر دیتا ہے۔ اسی طرح سزا، جرم اور مجرم کی حالت کو مکمل طور پر دیکھنے کے بعد اس کے نفاذ کا حکم دیتا ہے۔ بلکہ اسلام ایسی حالت و کیفیت میں مجرم کو سزا نہیں دیتا کہ جس سے صرف مجرم کو سزا ملے اور سزا کا جو اصل فلسفہ ہے وہ حاصل نہ ہو۔ یہ تو ان عام مجرمین اور عادین کے بارے اجمالی تصوّر ہے جو عین عدل پر مبنی ہے تو یہ بات اعلیٰ طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام بچوں کو سزا دینے اور ان پر سختی کرنے کے بارے کس قدر محتاط اور مشروط تصوّر ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے بچوں کے بارے میں فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا))[2]

ترجمہ: ہم میں سے نہیں جو ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے۔

آپ ﷺ نے اس فرمان میں بچوں کے ساتھ سلوک اور ان کی تعلیم و تربیت میں جو پہلا اصول اور قاعدہ ہونا ضروری ہے وہ بیان فرمایا کہ بچوں کے ساتھ معاملات کی پہلی کڑی ان پر رحم کرنا ہے۔ اب اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سزا اور سختی رحم کرنے میں نہیں ہو سکتی۔ بلکہ رحم جس کا مادہ "رحم" اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام "رحمان" سے ہے۔ یہ لفظ تو سراپا شفقت اور نرمی پر دلالت کرتا ہے۔ اسلام میں اگرچہ تعلیم تربیت کے لئے تادیب کی مشروعیت ہے لیکن وہ مشروعیت اس "رحم" کے تابع ہے۔ اس لئے جب بھی تعلیم و تدریس میں سزا اور سختی اس "رحم" کی حدود سے تجاوز کرے گی تو وہ نافرمانی اور حد سے بڑھ جانا تصوّر ہو گا۔

---

(1)۔ ایضاً

(2)۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الترمذی، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان، ح:1919، حکم الحدیث غریب، 4/321

جسمانی تأدیب کے مقاصد اور حکمتیں

عصرِ حاضر میں تمام عالم اسلام اور بالخصوص وطنِ عزیز معاشرتی بگاڑ کا شدید شکار ہے۔ جرائم کی شرح کافی حد تک قابو سے باہر ہوتی جارہی ہے۔ تعلیمی اداروں میں تشدّد اور لاقانونیت سے لے کر باہر معاشرے میں قتل وغارت گری، رشوت ستانی، مال کی لوٹ کھسوٹ بلکہ ہر قسم کا جرم مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ معاشرے کی اس بدنامی اور ہر ادارے کی ٹوٹ پھوٹ سے معاشرے کے اہل حل وعقد لوگ اور دانشور پریشان اور اس کے حل کی تلاش میں سرگرداں ہیں لیکن یہ جرائم دن بدن بڑھ رہے ہیں جس قدر ے ان کی روک تھام کی جارہی ہے اس سے زیادہ تناسب سے ان میں اضافہ ہورہا ہے۔ جرائم کے سدّباب کی ان تھک کوشش اور لاتعداد ذرائع کے استعمال کے باوجود اگر جرائم ختم نہیں ہورہے تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جرائم کو ختم یا کم کرنے کے لئے جو ذرائع اختیار کیے جارہے ہیں ان میں نقص ہے۔ اگر ان میں سے نقص ختم کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جرائم اور مسائل ازخود ختم ہوجائیں گے۔

اس لئے سب سے زیادہ اصلاح کی ضرورت اس ادارے کو ہے کہ جہاں سے افراد معاشرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اس ادارے میں افراد کو اصول و قوانین سمجھا دئے جائیں اور ان کے اخلاق و اطوار کو تہذیب کے سانچے میں ڈھال دیا جائے تو جرائم ور مشکلات انتہائی درجے تک کم ہو جائیں گے۔ اگر پھر بھی چند لوگ خرابی پیدا کریں تو ان کی اصلاح کے لئے سزا اب ضروری ہو جائے گی۔ لیکن سزا بے محل اور بے مقصد دینے سے مسائل اور زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے اسلام کی منتخب کردہ سزائیں ہی انسان کی اصلاح کے لئے اصل ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں

اوّلا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ انسانوں کی بھلائی اور کامیابی کس میں ہے۔ فرمایا:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾[1]

ترجمہ: کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے وہ تو بڑا باریک بین اور خوب خبر رکھنے والا ہے

ثانیاً: یہ سزائیں آزمودہ ہیں۔ ایک عرصہ تک جب انسانوں کی ایک جماعت اس پر کار بند رہی تو وہ اس کا ثمرہ پاتی رہی۔ قیام امن اور افراد کی تربیت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو اصول دئے ان میں سے ایک ان سزاؤں کا قیام ہے۔ اور نتیجے کے طور پر آپ ﷺ نے خود ہی فرمایا:

---

(1)۔ الملک:14

((فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ، لَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الحِيرَةِ، حَتَّى تَطُوفَ بِالكَعْبَةِ لاَ تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ قَالَ عَدِيٌّ: فَرَأَيْتُ الظَّعِينَةَ))[1]

ترجمہ: اگر تو لمبی عمر پائے تو دیکھے گا کہ ایک عورت حیرہ سے چل کر بیت اللہ کا طواف کرے گی لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہو گا۔ عدی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں اس عورت کو دیکھ لیا۔

آپ ﷺ کی اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو تعلیمات و احکام رسول اللہ ﷺ کے ذریعے انسانوں کو دئے ہیں اسی میں انسان کی فلاح و بہبود ہے۔ آپ ﷺ کے دئے گئے احکامات میں جہاں محبت و اُلفت کا درس ہے تو اس کے پیچھے بھی ایک مقصد ہے وگرنہ وہ محبت و اُلفت بھی وبال ہے۔ اور جہاں سزاؤں اور سختیوں کا حکم دیا ہے اس کا ایک مقصد ہے اور اس میں بھی حکمتیں مستتر و مضمر ہوتی ہیں۔ اگر سزاؤں اور سختیوں سے بھی وہ مقاصد حاصل نہ ہوں کہ جس حصول کے لئے وہ مشروع کی گئی ہیں تب ان سزاؤں کو موقوف کرنے کا حکم ہے۔ جیسا کہ میدانِ جہاد میں آپ ﷺ نے چوروں اور دیگر مجرموں کو سزا دینے سے منع فرمایا ہے۔ اسی لئے یہ حدیث بھی ظاہر کرتی ہے کہ اسلام نے بے ترتیب و بے مقصد سزاؤں کا حکم نہیں دیا بلکہ ایک خاص پس منظر اور ایک خاص مقصد کے لئے انہیں مشروع کیا گیا ہے۔

(1) بخاری، الصحیح البخاری، باب علامۃ النبوۃ، ح:3595، ص:603

باب دوم:

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جسمانی تأدیب سے متعلق عصری قوانین کا جائزہ

فصل اول: پاکستانی قانون میں تادیب اطفال کا جائزہ

فصل دوم: جسمانی تأدیب سے متعلق بین الاقوامی قوانین

فصل سوم: تعلیماتِ اسلام کی روشنی میں جسمانی تأدیب سے متعلق ملکی و بین الاقوامی قوانین کا جائزہ

فصل اول:

پاکستانی قانون میں تأدیب اطفال کا جائزہ

پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ اوراس کے قوانین اسلامی اصولوں کے مطابق بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چونکہ پاکستان میں قانون بنانے کا راستہ یہ ہے کہ کسی بھی امر کو قانونی شکل دینے سے پہلے اسے پارلیمینٹ میں پیش کیا جاتا ہے اور منظوری کے بعد وہ قانونی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ لہذا پاکستان میں حالیہ سالوں میں ہی تأدیبِ اطفال کے حوالے سے بھی قانون سازی کی گئی اگرچہ اس سے پہلے بچوں کی جسمانی تأدیب کے حوالے سے 1860 میں بنائے گئے قانون پر ہی عمل ہو رہا تھا جس میں بچوں کی جسمانی تأدیب کی گنجائش رکھی گئی تاہم اب اس میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔ اور بچوں کی جسمانی سزا پر مکمل پابندی کا بل منظور کر لیا گیا ہے۔

تعلیم و تدریس میں بچوں کی جسمانی تأدیب قدیم مسئلہ ہے۔ اور ہر دور میں اس میں حالات کے مطابق ترامیم کی گئی ہیں۔ بعض اوقات سزا کا جواز دیا گیا اور بعض اوقات مکمل پابندی لگا دی گئی، یعنی یہ قانون افراط و تفریط کا شکار رہا ہے۔ 1860 کے اس قانون کے تحت پاکستان کے پینل کوڈ نے سیکشن 89 کے تحت بچوں کی سزا کے جواز کے قانون پر لمبا عرصہ عمل کیا۔ جبکہ جدید دور کے تقاضوں کے تحت اس پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ یہ قوانین افراط و تفریط کا شکار اس لیے ہیں کہ انسانی نفسیات اور جسمانی ساخت ایک جیسی ہے۔ آج سے تقریباً 160 سال پہلے سے لے کر قریب ترین ماضی تک سزا کے جواز کا جنھوں نے قانون بنایا اور اس پر عمل کرتے رہے ان کے سامنے یہ سب دلائل موجود تھے کہ جن کی بنیاد پر موجودہ قانون سازوں نے ان سزاؤں پر پابندی لگا دی ہے۔ کیونکہ علامہ ابن خلدونؒ جو کہ 732 ہجری میں پیدا ہوئے انھوں نے اپنی کتاب "المقدمہ" میں بچوں جسمانی سزا کے نقصانات اور اس کی حدود اور جواز کی شرائط پر مکمل باب باندھ کر بحث کی ہے۔ لہذا دونوں طرف کا عدمِ توازن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی متوازن رائے تلاش کی جائے اور یہی ہماری تحقیق کا نقطہ آغاز بھی ہے۔

تعلیم کے لئے بچوں کی سزا پر پابندی

پاکستانی قوانین میں اگرچہ ماضی قریب میں ترمیم کر کے تعلیم و تربیت کے لیے سزا کو مکمل ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے 1860 سے تعلیم کے لئے سزا کے جواز پر ہی عمل ہو رہا تھا۔ پاکستان کے پینل کوڈ سیکشن 89 میں تھا کہ:

"Nothing which in done is good faith for the benefit of a person under twelve years of age, or of unsound mind by or by consent, either express or implied, of the guardian or other person having lawful charge of that

person, is an offence by reason of any harm which it may cause or be intended by the doer to cause or be known by the doer to be likely to cause to that person...." (1)

اس آرٹیکل کے تحت والدین اپنی بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے نہ صرف سزا دے سکتے تھے بلکہ بغرضِ تعلیم معلّم کو بھی سزا دینے کی اجازت دے سکتے تھے۔ اگرچہ اس قانون کو آئین سے متصادم قرار دیا گیا ہے تاہم عملی زندگی میں ابھی بھی نافذ ہے۔

2014 میں تعلیمی اداروں اور تربیت گاہوں میں بچوں کی جسمانی سزا کے حوالے سے ایک بِل منظور کیا گیا جس میں ہر طرح کے اداروں میں بچوں کی سزا پر کل وقتی پابندی لگا دی گئی ہے۔ اس بِل میں سزا کی تعریف و وضاحت یوں کی گئی ہے:

"Corporal" or "physical" punishment means any punishment in which physical force is used and intended to cause some degree of pain or discomfort, however light it may be, which way involve hitting ("smacking", "slapping", spanking") a child, with the hand or with an implement (a whip, stick, belt, shoe, wooden spoon, etc) including kicking, shaking or throwing a child, scratching, pinching, biting, pulling hair or boxing ears, forcing a child to stay in uncomfortable positions, burning scalding or forced ingestion (for example, washing a child's mouth out with soap or forcing him to swallow hot spices) including but not limited to," (2)

ترجمہ: "Corporal" اور "Physical" سزا کا مطلب ایسی سزا ہے جس میں جسمانی قوت کا عمل دخل ہو اور مقصد بچوں کو درد یا بے سکونی دینا ہو، خواہ وہ ہلکی ہی کیوں نہ ہو، جس میں مارنا (تھپڑ مارنا، مکّا) شامل ہیں، ہاتھ کے ذریعے ہو یا کسی چیز (جیسے لکڑی، ڈنڈا، بیلٹ، جوتا اور لکڑی کا چمچ وغیرہ) شامل ہیں۔ لات مارنا، جھنجوڑنا یا بچے کو پھینکنا، زخم دینا، چٹکی کاٹنا، چک کاٹنا، بال کھینچنا یا کان کھینچنا شامل ہے، بچے کو بے سکونی کی حالت میں رکھنا، جلانا، طعنہ زنی کرنا یا زبردستی کرنا (جیسے بچے کا منہ صابن سے دھونا یا گرم مصالحہ نگلنے کا کہنا وغیرہ) شامل ہے"

اس بِل کی منظوری کے بعد اس معاملے کو ایڈوکیٹ سیّد مقداد مہدی جو کہ بچوں کے حقوق اور بچوں کے بارے قوانین کے ماہر ہیں، انھوں نے عدالت میں بچوں کی سزا غیر قانونی قرار دینے کے لیے درخواست دائر کر دی جس پر عدالت نے اپنے فیصلہ نمبر 1070273\2017 کے تحت سرکاری اور نجی اداروں میں سزا کو غیر قانونی قرار دینے کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ جس سے تمام سرکاری، نجی، کسی بھی قسم کے تعلیمی یا تربیتی ادارے میں بچوں کی جسمانی سزا پر پابندی عائد کر دی گئی۔

---

(1). Pakistan penal code Article 89, Act No: XLV of 1860

(2). The Prohibition of Corporal Punishment Bill, 2014, National Assembly of Pakistan

پنجاب کے محکمہ تعلیم نے بھی عدالت کے اس فیصلے کے بعد باقاعدہ مراسلہ جاری کر کے صوبہ بھر کے تعلیمی اداروں کو جسمانی سزا دینے سے منع کر دیا۔ محکمہ تعلیم پنجاب نے بھی معمولی سی تبدیلی کے ساتھ بل میں مذکورہ سزاؤں کا ہی ذکر کر کے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ محکمہ تعلیم کے مراسلہ کی عبارت درج ذیل ہے:

"it is to clarify that the term "corporal" or "physical" punishment means any punishment in which physical force is used and intended to cause some degree of pain or discomfort, however light it may be, which way involve hitting ("smacking", "slapping", spanking") a child, with the hand or with an implement (a whip, stick, belt, shoe, wooden spoon, etc) including kicking, shaking or throwing a child, scratching, pinching, biting, pulling hair or boxing ears, forcing a child to stay in uncomfortable positions, burning scalding or forced ingestion (for example, washing a child's mouth out with soap or forcing him to swallow hot spices) including mental abuse or any other king of punishment but not limited to". [1]

پاکستان میں بچوں کی سزا کی تحقیقی رپورٹ

اگرچہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں بچوں کی سزا کے ممانعت کا بل پاس ہو چکا ہے۔ اور صوبہ خیبر پختونخواہ میں اس سے پہلے بچوں کی سزا کو ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ تاہم اس کے باوجود عملی میدان میں صورتِ حال بہتر نہیں ہے۔ تعلیمی اداروں میں بچوں پر برابر تشدد ہو رہا ہے اور تعلیم کے لیے ان کو جسمانی سزائیں دی جا رہی ہیں۔ اور آئے روز کسی نہ کسی ادارے سے بچوں پر شدید جسمانی تشدد وغیرہ کی خبریں آتی ہیں۔ تعلیم و تربیت کے لیے جسمانی سزا دینے اور بچوں کو متشدانہ ماحول میں رکھنے کے حوالے سے پنجاب اور سندھ حکومت نے ایک جامع رپورٹ تیار کی ہے جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

پنجاب کے تعلیمی اداروں میں جسمانی تأدیب

پنجاب پورے پاکستان کا سب سے اہم صوبہ ہے۔ دیگر صوبوں سے آبادی، تعلیم، صنعت اور سیاسی حوالوں سے ممتاز ہے۔ اسی طرح اس صوبے میں دیگر صوبوں کے مقابلے میں قانون کی عملی بالادستی بھی زیادہ ہے۔ ان سب کے باوجود پنجاب حکومت نے بچوں کی جسمانی سزا کے حوالے سے ایک رپورٹ مرتب کی ہے جس کے تحت 73.6٪ بچے کسی نہ کسی شکل میں جارحیت کا شکار رہے ہیں۔ اس میں سے 71٪ بچے کسی دوسری شکل میں جبکہ تقریباً

---

(1). Government of the Punjab Chief Minister's Monitoring Force School Education Department Notification No. DD(M)\Child Protection\2018. Dated: Lahore the 23 January , 2018

45.6 فیصد بچے جسمانی سزا کا شکار ہیں۔ ان بچوں کو تعلیمی اداروں اور دیگر تربیتی مراکز یا گھروں میں مختلف قسم کی سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پنجاب جیسے ترقی یافتہ صوبے کا کوئی بھی ایسا شہر نہیں ہے کہ جس میں 60٪ سے کم بچے نفسیاتی دباؤ یا مار پیٹ کا شکار نہ ہوں۔[1]

پنجاب حکومت کی رپورٹ کے مطابق سب سے اچھی حالت چنیوٹ کی ہے۔ جہاں 62٪ فیصد بچے نفسیاتی دباؤ کا شکار ہیں۔ اس طرح لاہور میں 64٪، خوشاب میں 65٪ فیصد بچے کسی نہ کسی شکل میں ذہنی دباؤ کا شکار ہے جن میں سے بڑی وجہ سزا دینا ہے۔ یہ تناسب پنجاب کے بہتر صورتحال والے شہروں کی ہے۔ جبکہ باقی شہروں کی ان کی بنسبت حالت اچھی نہیں ہے۔ ساہیوال میں 84٪، ملتان میں 84.8٪ اور لیہ میں 84.3٪ بچے انھی حالات کا شکار ہیں۔[2]

اگرچہ ذہنی دباؤ کے دیگر وجوہات بھی ہے تاہم ان میں سب سے اہم وجہ سزا دینا ہے۔ بچے والدین اور اساتذہ کی طرف سے تشدد کا شکار ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ذہنی دباؤ والے ماحول میں پروان چڑھ رہے ہیں۔ جس سے ان کی تعلیمی اور تخلیقی صلاحیتیں متاثر ہو رہی ہیں۔

سندھ کے تعلیمی اداروں میں جسمانی تأدیب

صوبہ سندھ بھی پاکستان کا اہم صوبہ ہے۔ کراچی قدیم اور صنعتی شہر ہے۔ جس میں تعلیم کا معیار اور عوامی سطح پر شعور اور آگاہی اچھی ہے۔ لیکن اس صوبے کی صورتحال بھی پنجاب کی جیسی ہے۔ یہاں پانچ سے سترہ سال کے بچے جسمانی تشدد کا شکار ہوتے ہیں جبکہ ایک سے چودہ سال تک کے بچے نفسیاتی تشدد کا شکار ہوتے ہیں۔ گھروں اور سکولوں میں تعلیم وتربیت کی غرض سے تشدد کا شکار ہونے والے مجموعی طور پر 35٪ ہیں بچوں اور بچیوں کی اگر الگ الگ تناسب کو دیکھا جائے تو 37٪ لڑکوں اور 32٪ بچیوں کو مار پیٹ کے ذریعے سمجھایا جاتا ہے سندھ کے دیہات میں شہروں کی بنسبت بچوں پر جسمانی تشدد زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ سندھ کے دیہات میں 38.4٪ جبکہ شہروں میں 31٪ بچے مار کے ذریعے تعلیم وتربیت حاصل کرتے ہیں۔ یہ صرف ان بچوں کے احوال ہیں جو صرف ماپیٹ کا شکار ہیں اس کے علاوہ دیگر عوارض کے ذریعے ذہنی دباؤ اور تشدد کا شکار بچے کم سے کم 74.5٪ اور زیادہ سے زیادہ 84٪ ہیں۔ یہ کل صوبے کی مجموعی حالت ہے۔

انفرادی طور پر کراچی جیسے اہم شہر اور پڑھے لکھے ڈویژن میں بھی 30٪ بچے جسمانی سزا لیتے ہیں۔ سندھ میں مجموعی طور پر سکھر سرفہرست ہے جہاں کے 41.3٪ بچے جسمانی تشدد سے دوچار ہیں۔ اس کے بعد دوسرا نمبر حیدر

---

(1). https:// mag.Dunya.com.pk/demo.php/feature/1029/2019-09-15

(2)۔ ایضاً

آباد کا ہے جہاں ٪38 بچے سزا کے ذریعے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح دیگر شہروں لاڑکانہ ٪35 اور میر پور خاص میں ٪31 بچوں کو مار پیٹ کر ذریعے سمجھایا اور تعلیم دی جاتی ہیں۔[1]

مندرجہ بالا عداد و شمار میں ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ ملک میں قانونی طور پر بچوں کی جسمانی سزا ممنوع ہے تاہم عملی میدان میں اس کا بھرپور استعمال موجود ہے۔ نجی اداروں اور تربیتی مراکز کے علاوہ سرکاری تعلیمی اداروں میں بھی تعلیم کے لیے سزا کا استعمال عام ہو رہا ہے یہ عادات اور شمار صرف صوبہ پنجاب اور سندھ کے متعلق ہیں۔ کیونکہ ابھی تک صوبہ بلوچستان اور خیبر پختونخواہ کے متعلق ایسی کوئی جامع تحقیق نہیں کی گئی۔ لیکن بادی النظر میں ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں کے صورتحال بھی پنجاب سے بہتر نہیں ہو گی۔ کیونکہ پنجاب قانون کی بالا دستی اور جلد نفاذ کے حوالے سے دیگر صوبوں سے ممتاز ہے۔

(1) . https:// mag.Dunya.com.pk/demo.php/feature/1029/2019-09-15

فصل دوم:

جسمانی تأدیب سے متعلق بین الاقوامی قوانین

بچوں کی تعلیم و تربیت کیلئے جسمانی تأدیب کے حوالے سے تیسرا نقطۂ نظر اقوام متحدّہ اور اس کے اتّحادی ممالک کا ہے۔ ان ممالک میں اکثر بر سرِ اقتدار لوگ دین و مذہب سے بیزار ہیں اور قوانین عقلی اور تجرباتی نتائج کی بنیاد پر مرتب کرتے ہیں۔ اس لیے ان ممالک میں بھی بچوں کی جسمانی تأدیب کے حوالے سے سخت قوانین مرتب کیے گئے ہیں۔ تعلیم و تدریس میں جسمانی تأدیب کے حوالے سے سب سے پہلے "یولینڈ" نے 1783 میں قوانین وضع کیے اور تعلیمی اداروں اور تربیت گاہوں میں بچوں کی جسمانی تأدیب پر مکمل پابندی عائد کر دی۔ یولینڈ میں اس قانون سازی کے پیچھے ایک انگریز "جان لاک" کا نظریہ کار فرما تھا۔ "جان لاک" ایک معروف فلسفی تھا اور اس کا اثر اتنا زیادہ ہوا کہ اسی کے نظریات کی بنیاد پر یولینڈ نے باقاعدہ قانون سازی کی:

"The English philosopher john Locke who's Some Thoughts explicitly criticized the central role Concerning Education of corporal punishment in education. Locke's work was highly influential, and may have helped influence polish legislators to ban corporal punishment from Poland's schools in 1783, the first country in the world to do so."(1)

ترجمہ: انگلش فلاسفر جان لاک جن کے نظریات میں تعلیم میں جسمانی تأدیب کے کردار پر واضح تنقید ملتی ہے۔ جان لاک کا کام نہایت پر اثر تھا کہ یہ پولینڈ کے دستور سازوں پر اثر انداز بھی ہو جس سے پولینڈ 1783ء میں دنیا کا پہلا ملک بنا جس نے جسمانی تأدیب پر سکولوں میں پابندی عائد کر دی۔

اس کے بعد اپنے ملک کے بعض تعلیمی اداروں میں پیش آنے متشدّانہ واقعات کی بنیاد پر "سویڈن" نے بھی تعلیم و تدریس میں جسمانی تأدیب کو ممنوع قرار دے کر دیگر ممالک کے لیے لائحہ عمل پیش کیا۔

"The new Swedish parental Code reads:"Children are entitled to care, security and good upbringing. Children are to be treated with respect for their person and individuality and may not be subjected to corporal punishment or any other humiliating treatment."2

---

(1). Jump up, newell, Petper, A Last Resort Corporal Punishment in Schools, Penguin, London, 1972, P:9

(2). Jump up, Council of Europe (2007), Abolishing Corporal Punishment of Children, Building a Europe for and with Children. Council of Europe Publishing: 32

ترجمہ: سویڈن میں والدین کے دستور میں یہ بات درج ہے کہ "بچے اچھی نشوونما، تربیت اور حفاظت کے حقدار ہیں۔ بچوں کا ان کی شخصیت اور انفرادیت کے حوالے سے احترام کیا جائے اور جسمانی تأدیب یا ذلت آمیز رویّے سے اجتناب برتا جائے"

ان قوانین کی بنیاد ایسی سزائیں تھیں کہ جن سے بعض طلبہ کی اموات واقع ہوتیں جبکہ بعض شدید زخمی ہوتے یا ان کی ہڈیاں تک ٹوٹ گئیں۔ حالانکہ ایسی سزائیں کسی بھی دین یا مذہب میں جائز نہیں ہیں۔ اسلام اور دیگر ادیان بھی وحشانہ سزاؤں کی مذمّت کرتے ہیں اور ان کو سختی سے ممنوع قرار دیتے ہیں۔

"In some countries this was encouraged by scandals involving individuals seriously hurt during acts of corporal punishment. For instance, in Britain, popular opposition to punishment was encouraged by two significant cases, the death of private Frederick john White, who died after a military flogging in 1846."(1)

ترجمہ: کچھ ممالک میں جسمانی تأدیب کے نتیجے میں ہونے والے مسائل جیسا کہ شدید چوٹوں کے تناظر میں اس کی حوصلہ شکنی ہوئی جیسا کہ برطانیہ میں اس کی مخالفت کا باعث بننے والے دو واقعات میں فریڈرک جان وائٹ جن کا انتقال 1846 میں عسکری مار پیٹ سے ہوا۔

اسی طرح شدید سزا کی وجہ سے ایک بچے کی موت واقع ہوئی۔

"And the death of Reginald Chancellor, killed by his schoolmaster in 1860."(2)

ترجمہ: اور (دوسرا) ریگنالڈ جن کی موت 1860 میں ہیڈ ماسٹر صاحب کے ہاتھوں سے ہوئی۔

تعلیم و تدریس میں اسی طرح کا متشدّانہ رویّہ اس دور میں عمومی تھا۔ جس کے خلاف اوّل اقدام "یولینڈ" نے کیا اور اس کے بعد "سویڈن" ایک لائحہ عمل تیار کیا جس کی بنیاد پر بعد میں اقوامِ متحدّہ نے باقاعدہ قانون سازی کی۔ اقوامِ متحدّہ بچوں کی جسمانی تأدیب و سزا کے حوالے سے قوانین و کمیشن 1978 میں پہلی مرتبہ بنائے:

"The Council of Europe's human rights mechanisms first challenged corporal punishment of children 30 years ago. In 1978."(3)

---

(1). Jump up Barrett's, C.R.B. The History of the 7th Queen's Own Hussars vol. 2, P: 23

(2). Jump up Middleton, Jacob (2005). " Thomas Haply and mid- Victorian attitudes to Corporal Punishment " History of Education.

(3). Commissioner For Human Rights, Council of Europe, Children and Corporal Punishment, January 2008, P: 4

ترجمہ: یورپ کی کونسلر برائے انسانی حقوق نے آج سے 30 برس پہلے 1978 میں اس کے خلاف آواز اٹھائی۔

یورپی ممالک کی اکثریّت نے بھی اپنے اپنے ملک میں قوانین مرتب کیے۔ بلکہ جن ممالک نے جسمانی تأدیب کے حوالے سے قانون سازی نہیں کی تھی اقوام متحدّہ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ بھی اقوامِ متحدّہ کے بنائے گئے " قوانین برائے اطفال" کے مطابق اپنے ملک میں قانون سازی کریں اور اسے اپنے ملک میں نافذ کریں۔ اس لیے پاکستان میں بچوں کی جسمانی تأدیب کے حوالے سے قوانین اقوامِ متحدّہ کے قوانین کے قریب تر ہیں۔ اقوامِ متحدّہ نے جسمانی تأدیب کی یوں وضاحت کی:

"Any punishment in which physical force is used and intended to cause some degree of pain or discomfort, however light. Most involves hitting ("smacking", "slapping", "spanking") children, with the hand or with an implement – whip, stick, belt, shoe, wooden spoon, etc. But in can also involves, for example, kicking, shaking or throwing children, scratching, pinching, biting, pulling hair or boxing ears, forcing children to stay in uncomfortable positions, burning, scalding or forced ingestion (for example, washing children's mouths out with soap or forcing them to swallow hot spices). In the view of the Committee, corporal punishment is invariably degrading. In addition, there are other non physical forms of punishment which are also cruel and degrading and thus incompatible with the Convention. These include, for example, punishment which belittles, humiliates, denigrates, scapegoats, threatens, scares or ridicules the child."(1)

ترجمہ: ایسی جس میں جسمانی قوّت ملوث ہو اور اس کا مقصد درد یا بے سکونی ہو۔ بچوں کو ہاتھوں سے مارنا یا تھپڑ رسید کرنا یا کسی جوتے، لکڑی کے چمچ، چمڑے، ڈنڈے یا چھری سے مارنا وغیرہ۔ بچوں کو پھینکنا جنجھوڑنا، خراشیں ڈالنا، چٹکی کاٹنا، دانتوں سے کاٹنا، بال کھینچنا، مکے مارنا، جلانا یا زبردستی مرچیں یا صابن کھلانا یا انھیں بے سکونی کی حالت میں رکھنا۔ کمیٹی کے مطابق جسمانی تأدیب ایک ذلت آمیز عمل ہے۔ علاوہ ازیں کچھ ایسی غیر جسمانی سزائیں بھی ہیں جو بہت ظلمانہ اور توہین آمیز ہیں۔ مثال کے طور پر ایسی سزائیں جو بچوں کو طنز و حقارت، ذلت آمیزی، نشانات اور دھمکانے کا باعث بنے۔

اسی طرح اقوامِ متحدّہ نے 2006 میں حقوقِ اطفال کے حوالے سے ایک "کنوینشن "منعقد کروایا۔ جس میں بچوں کے خلاف جسمانی تأدیب کو "انسانی حقوق" کے مسئلے کے ساتھ جوڑ کر اسے بچوں کے لیے حق تلفی قرار دیا۔ اور

(1). Council of Europe, Children and Corporal Punishment, January 2008, P: 4

بچوں کی حفاظت، عدمِ تشدد، عزت و احترام کو ان کا بنیادی حق تسلیم کیا۔ حتیٰ کہ والدین کو بھی گھر کے اندر بچوں کی تأدیب سے منع کر دیا گیا کہ والدین بھی تربیت کی غرض سے ہی کیوں نہ ہو بچوں کو جسمانی تکلیف یا ذہنی اذیّت نہیں دے سکتے۔ اقوام متحدّہ کے جرنل سیکٹری نے دیگر ممالک سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ بھی اپنے اپنے ممالک میں اس قانون کو لاگو کریں۔

"The study should mark a turning point – an end to adult justification of violence against children, whether accepted as 'tradition' or disguised as 'discipline'. There can be no compromise in challenging violence against children. Children's uniqueness – their potential and vulnerability, their dependence on adults – makes it imperative that they have more. not less, protection from violence."(1)

ترجمہ: یہ کام تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت ہو گا کہ جس میں بڑوں کا بچوں کو مارنے یا تشدد کی بنیادی دلیل ختم ہو جائے گی۔ بچوں کے تشدد کے مسائل پر کوئی سمجھوتا مشکل نہیں، بچوں کا منفرد پن ہے، یعنی ان کا بڑوں پر انحصار کرنا اس بات کا غماز ہے کہ ان کی حفاظت قدرے زیادہ ہے۔

اس کنویشن کے آرٹیکل 19 کے تحت ممالک سے مطالبہ کیا گیا کہ:

"all appropriate legislative, administrative, social and educational measures to protect the child from all' forms of physical or mental violence, injury or abuse, neglect or negligent treatment, maltreatment or exploitation, including sexual abuse, while in the care of parent(s), legal guardian(s) or any other person who has the care of the child"(2)

ترجمہ: تمام ضروری قانون سازی، انتظامی، سماجی اور تعلیمی اقدامات اٹھائے جائیں جس سے بچوں کو ہر قسم کے جسمانی اور ذہنی تشدد، غیر منصفانہ رویّوں، جنسی تشدد سے محفوظ رکھا جانا چاہیے خواہ وہ والدین، سرپرست یا کسی اور کی زیر نگرانی ہوں۔

اقوامِ متحدّہ کے ان قوانین کے بعد اکثر ممالک نے اپنے تعلیمی اداروں میں جسمانی سزاؤں پر پابندی عائد کر دی ہے۔ ان میں سے اکثر ترقی یافتہ یورپی ممالک ہیں جن میں سے چند ایک حسبِ ذیل ہیں۔

ڈنمارک

ڈنمارک ترقی یافتہ ملک ہے اور تعلیمی لحاظ سے اچھی حالت میں ہے اس نے "The parental custody and care Act of 1997" کے تحت بچوں کو جسمانی تأدیب کو بالکل ممنوع قرار دیا ہے۔ اور ہر

(1). Ibid, P: 6

(2). WWW.Commissioner.Coe.int.

طرح کے تعلیمی ادارے تربیتی مراکز اور گھروں میں والدین کو پابند کیا ہے کہ بچوں کی کسی بھی قسم کی جسمانی تأدیب نہیں ہونی چاہیے۔ 1997 کے ایکٹ کے تحت تعلیمی اداروں کو حکم دیا ہے کہ:

"The child has the right to care and security. It shall be treated with respect for its personality and may not be subjected to corporal punishment or any other offensive treatment."(1)

ترجمہ: بچوں کو حفاظت اور نشوونما کا پورا حق ہے۔ ان کو ان کی شخصیت کے مطابق اچھا برتاؤ کیا جائے اور کسی قسم کے جسمانی تشدد یا سزا کے حقدار نہیں۔

ڈنمارک نے نہ صرف تعلیمی اداروں میں بچوں کی جسمانی تأدیب پر پابندی لگائی بلکہ اس سے پہلے 1920 میں گھریلو خواتین اور ملازمین کی جسمانی سزا پر بھی پابندی عائد کی تھی۔ اسی طرح 1922 میں قیدیوں کی سزا پر بھی پابندی عائد کی گئی تھی۔

فن لینڈ

فن لینڈ ترقی یافتہ اور تعلیمی معیار میں اعلیٰ مقام پر ہے۔ فن لینڈ نے بھی اپنے تعلیمی اداروں میں جسمانی تأدیب کو روکنے کے لیے "child Custody and Rights of access act of 1983" پاس کیا۔ اس کے بعد تعلیم و تدریس کے لیے سزا کو بالکل ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ فن لینڈ نے بچوں کے تعلیمی و تربیتی حقوق بیان کرتے ہوئے اس ایکٹ میں کیا ہے کہ:

"A child shall be brought up in a spirit of understanding, security and love. He shall not be subdued, corporally punished."(2)

ترجمہ: بچوں کو ایک پیار، حفاظت اور ہم آہنگی والے ماحول میں بڑا کیا جائے، اس کو جسمانی سزا نہ دیا جائے۔

جرمنی

جرمنی نے 2000 میں اپنے سول قوانین میں ترمیم کر کے بچوں کی جسمانی تأدیب کو یہ سطح پر ممنوع قرار دیا اور کہا کہ جسمانی سزا بچوں کے بنیادی حقوق اور عزتِ نفس کے خلاف ہے۔ 2000 میں ترمیم کردہ سول لاء میں کہا گیا:

---

(1). https://cyc-net.org/cyc/-online/cycol-0206-artical19.html

(2). Prohibition of corporal punishment: an international overvied. Article 19, Vol: 1, December 2005, P: 11

"Children have a right to be brought up without use of force: physical punishment, the causing of psychological harm and other degrading measures are forbidden."(1)

ترجمہ: بچوں کا یہ حق ہے کہ ان پر نشوونما کے دوران قوت استعمال نہ کی جائے کہ ان پر اس کا نفسیاتی اثر ہو اور حقارت آمیز رویّے ممنوع ہے۔

اٹلی

مئی 1996 میں اٹلی کی سپریم کورٹ نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے جسمانی تأدیب کے بارے فیصلہ دیتے ہوئے اسے غیر قانونی قرار دیا۔ اگرچہ ان دنوں اٹلی کے اپنے قوانین میں والدین کے لیے بچوں کی اصلاح کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہوئے تأدیب کو ممنوع قرار دے دیا ہے۔ اسی طرح والدین پر پابندی کے ساتھ ساتھ تعلیمی اداروں کو بھی اس کا پابند کر دیا گیا:

"Use of violence for educational purposes can on longer be considered lawful."(2)

ترجمہ: تعلیمی مقصد کے لیے تشدد کا استعمال غیر قانونی ہے۔

ان ممالک کی طرح دیگر یورپی ممالک نے بھی تعلیم و تدریس اور گھروں میں بچوں کی تربیت کی غرض سے تأدیب پر پابندی عائد کر دی۔ بچوں کی جسمانی تأدیب کو ممنوع قرار دینے والے ممالک میں آسٹریا، ناروے، سویڈن، آئس لینڈ، یوکرائن، بلغاریا، ہنگری، بلجیم، رومانیہ وغیرہ ہیں۔ ان ممالک میں اگرچہ تعلیمی میدان میں جسمانی تأدیب پر پابندی ہے اور اس پر عمل درآمد بھی سختی سے کیا جاتا ہے تاہم مادی ترقی ہونے کے ساتھ ساتھ ان ممالک میں اخلاقیات اور تہذیب و معاشرت کا فقدان ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان ممالک نے قانون سازی کی مکمل بنیاد عقل و تجربات پر رکھی ہے۔ انھوں نے کسی بھی مذہب کی الہامی تعلیمات کی روشنی میں قوانین مرتب نہیں کیے۔ جان لاک مشہور فلسفی ہے اور انقلاب فرانس سے قبل امن کے دور میں اس نے اپنے فلسفیانہ نظریات پیش کیے۔ یہ دین اور مذہب سے آزادی کا دعوادار تھا۔ سب سے پہلے اسی کے نظریات سے متأثر ہو کر یہ قانون بنایا گیا۔ مختصراً یہ کہ ہر الہامی کتاب میں کسی نہ کسی صورت میں جسمانی سزا کا تصور موجود ہے۔ جب سے انسانوں نے الہامی تعلیمات سے زیادہ اہمیت عقل کو دی اس وقت سے

---

(1). Prohibition of corporal punishment: an international overvied. Article 19, Vol: 1, December 2005, P: 10

(2). Ibid, P: 8

اختلاف کا دائرہ بھی وسیع ہوا ہے اور متضاد نظریات بھی وجود میں آئے ہیں۔ اسلامی ممالک اور مسلمانوں کو چاہیے کہ قوانین سازی میں دین اور مذہب کی پاسداری کریں۔

فصل سوم:

تعلیماتِ اسلام کی روشنی میں جسمانی تأدیب سے متعلق ملکی و بین الاقوامی قوانین کا جائزہ

ملکی قوانین کا جائزہ

اچھائی نیک انعام اور جرم، مجرم سزا یہ ایسے تصورات ہیں کہ تمام قوموں اور تمام ادیان کی تاریخ میں اس کا وجود ملتا ہے۔ کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ہے، خواہ سماوی ہو یا غیر سماوی جس میں یہ تصورات اور اس کے اصول و قوانین موجود نہ ہوں۔ تاہم بعض قوموں اور بعض ادیان میں انعامات اور عقوبات کے حوالے سے افراط و تفریط رہی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی ہلاکت کی اسباب بھی بنے۔ جب انھوں نے سزا و جزا کے قوانین کو عدل و انصاف اور توازن کی حد سے خارج کیا تو یہ ہی قوانین ان کی ہلاکت کا باعث بنے۔ جب سزائیں صرف چند لوگوں کو اور انعامات بھی مخصوص طبقے کو ملنے لگے تو فطرت نے اس نظام کو ختم کر کے رکھ دیا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَ))[1]

ترجمہ: کہ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ سزا کے مستحق کو سزا نہیں دیتے تھے۔ جبکہ چھوٹے مجرم یا کم سزا کے حقدار کو سخت سزا دے دیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کے معاشرے کی بقاء اور اس کی پائیداری میں سزا و جزا کے قوانین میں انصاف پر مبنی فیصلے اور اس پر عمل دارومدار کو یقینی بنانا، خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر سزا و جزا کے قانون میں انصاف نہیں ہو گا تو وہ معاشرہ اپنا وجود تادیر قائم نہیں رکھ پائے گا۔ اور نہ اس کے بنائے گئے قوانین پر عمل ہو سکے گا۔ یہاں تک کہ اسلام تمام ادیان میں ممتاز اور نمایا دین ہے۔ جس میں نرمی اور شفقت دیگر ادیان کے مقابلے میں زیادہ اور وسیع ہے لیکن اسلام بھی اپنے قوانین اور حدود کی پابندی کروانے کے لیے اگرچہ ترغیب سے آغاز کرتا ہے تاہم ترغیب اگر نتائج کو اخذ کرنے میں کامیاب نہ ہو تو ترہیب کا بھی باقاعدہ اور منضبط نظام اسلام کی ہی تعلیمات کا حصہ ہے۔

تعلیم و تدریس میں سزا قدیم تصور ہے جیسا کہ سابقہ ابواب میں گزر چکا ہے کہ عیسائیت و یہودیت اور دیگر ادیان میں بھی تعلیم و تربیت کے لیے سزا کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ تورات میں بھی تعلیم و تربیت کا آغاز نرمی

---

(1)۔ بخاری، صحیح البخاری، باب حدیث الغار، ح:3475، 4/175

سے ہے تاہم مقصود کو حاصل کرنے کیلئے سزا کا بھی جواز موجود ہے۔ اسی طرح اسلام نے بھی ناگزیر حالات میں اس کی مشروط اجازت دی ہے۔ علماء اسلام نے اصلاح کے لیے بچوں کو مشروط ومقیّد سزا دینے کے جواز پر اجماع منعقد کیا ہے کہ اگر سزا کے علاوہ دیگر ذرائع کارآمد نہ ہوں تو سزا دی جاسکتی ہے۔ علامہ ابن نجیم حنفیؒ لکھتے ہیں:

"فقد اتفق فقهاء السلف علىٰ جواز ذلک تأديباً لهم و اصلاحاً"[1]

ترجمہ: فقہاء کرام اور سلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بچوں کو تأدیب واصلاح کی غرض سے جسمانی سزا دی جاسکتی ہے۔

تاہم جدید ماہرینِ تعلیم نے دورانِ تعلیم طالب علم کو سزا دینا سخت ممنوع قرار دیا ہے۔ اور بچوں کو کسی قسم کا خوف دلانا یا کسی بھی قسم یا کسی بھی طرح ان کو تکلیف دینا طالب علم اور علمی ماحول کے لیے بلکل بھی مناسب نہیں سمجھتے۔ جدید ماہرین کا کہنا ہے کہ سزا سے طالب علم کی صلاحیتیں بری طرح متأثر ہوتی ہیں۔ اسی نظریے کے تحت ہمارے ملک پاکستان نے بھی قانون سازی کی ہے اور تعلیمی وتربیتی اداروں، خواہ سرکاری ہوں یا نجی، سب میں جسمانی سزا پر سخت پابندی عائد کر دی ہے۔ جس کے مرتکب کو نوکری سے نکالنے سے لے کر قید وبند سے دوچار کرنے تک کی سزائیں موجود ہیں۔ جبکہ اسی کے برعکس ہمارے معاشرے میں عملی طور پر سزا اس قدر عام ہے کہ آئے روز طلبہ پر سخت تشدد کی خبریں گردش کر رہی ہوتی ہیں۔ بعض اوقات تو استاد کی مار سے طالب علم کی زندگی تک ضائع ہو جاتی ہے یا اساتذہ بچوں کو ایسی غیر اخلاقی اور غیر انسانی سزائیں دیتے ہیں کہ جس سے بچوں کی اصلاح سے زیادہ بگاڑ ہو جاتا ہے اور وہ نیک کے بجائے مجرم بن کر تعلیمی اداروں سے نکلتے ہیں۔ یہ دونوں نظریات افراط وتفریط کے ہیں۔ گویا تین طرح کے رجحانات ومیلانات ہوئے۔ ایک سزا کے بلکل ممنوع ہونے کا، دوسرا سزا کے مکمل اختیارات واستعمال کا اور تیسرا وہ جو کہ اسلام نے دیا ہے۔ بچوں کو تعلیمی وتأدیبی میدان میں سزا سے متعلق سابقہ دونوں تصوّرات اسلام کے عین مطابق نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام کا تصوّرِ سزا ان دونوں کے بین بین ہے۔ ذیل میں اسلام اور پاکستانی قوانین میں "طفل" کی تعریف اور تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

طفل (بچہ) کا معنیٰ ومفہوم

طفل (بچے) کے مکلّف ہونے یا نہ ہونے میں اسلام کا تصور اور پاکستانی قوانین دونوں یکساں ہیں۔ دونوں میں جب انسان پر طفل کا لفظ صادق آتا ہے۔ وہ ہر طرح کی شرعی اور ملکی قوانین کی تکلیف سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(1)۔ ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الحقائق، 8/394

((رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ، عَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَفِيقَ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ))[1]

ترجمہ: تین لوگوں پر سے حکم اٹھالیا گیا ہے، مجنون سے یہاں تک کہ وہ افاقہ پالے اور سوئے ہوئے سے یہاں تک کہ جاگ جائے اور بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے۔

بچے کے مکلف نہ ہونے میں ملکی اور شرعی قوانین میں اگرچہ موافقت ہے لیکن بچہ (طفل) کسے کہتے ہیں اور اس کی عمر یا علامات کیا ہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔ جس کی وضاحت حسبِ ذیل ہے۔

طفل کا لغوی معنٰی

طفل عربی لفظ ہے۔ جو کہ اطفال کا واحد ہے۔ جس کا معنٰی بڑھنا، پروان چڑھنا اور نشو ونما پانا جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

"طفلت الناقة، ربّت طفلها"[2]

ترجمہ: اونٹنی نے اپنے بچے کو پروان چڑھایا۔

طفل کا معنٰی چھوٹا ہونا اور صغر سنی بھی ہے۔ ابن منظور لکھتے ہیں:

"الطفل: الصغير من كل شيئ"[3]

ترجمہ: طفل ہر چیز کے چھوٹے کو کہتے ہیں۔

ابن منظور نے ہر چیز کے چھوٹے کو طفل کہا ہے۔ جبکہ بعض اہلِ لغت نے انسان کے چھوٹے بچے کے ساتھ اس لفظ کو خاص قرار دیا ہے۔ جیسا کہ علامہ الفراہیدی لکھتے ہیں:

"الطفل: الصغير من الاولاد للناس"[4]

ترجمہ: طفل انسانوں کے چھوٹے بچے کو کہا جاتا ہے۔

طفل کا لفظ اردو میں بھی عام مستعمل ہے۔ اور چھوٹے بچوں، نادان اور دودھ پینے والے نوزائدہ بچوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرہنگ آصفیہ میں درج ہے:

"طفل سے مراد لڑکا، بچہ، بالک، شیر خوار، دودھ پیتا، نوزائدہ، اور نادان کے ہیں"[5]

---

(1)۔ السجستانی، سنن ابی داؤد، باب فی المجنون یسرق اویصیب الحد، ح:4398، حکم الحدیث صحیح، 4/139

(2)۔ انیس، ابراہیم انیس، المعجم الوسیط (القاھرہ، مجمع اللغۃ العربیۃ، 1379ھ) ص:477

(3)۔ ابن منظور، لسان العرب، 11/ 140

(4)۔ الفراہیدی، خلیل بن احمد الفراہیدی (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1383ھ) 7 کتاب العین، /428

(5)۔ دہلوی، مولوی سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ (رفاہ عامہ پریس، 1908) 3/ 246

ان تمام تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ لغت میں طفل چھوٹے، صغیر اور صغر سن کو کہتے ہیں۔ کوئی بھی جاندار یا انسان اپنی صغر سنی یا ابتدائی حالات و ادوار میں اس کام کی تربیت کا محتاج ہوتا ہے جو اس نے آگے چل کر کرنا ہے۔ لفظِ طفل لغوی طور پر بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب تک انسان پر یہ لفظ صادق آئے وہ اپنے ابتدائی مراحل میں ہے اور تربیت و اصلاح کا محتاج ہے۔ لہذا اسی عمر میں بچے کی تربیت اہم امر ہے کیونکہ بعد ازاں اس نے عملی زندگی میں قدم رکھنا ہے۔ طفل کا معنٰی نادان بھی ہے لہذا نادان کی پرورش و تربیت میں نرمی، محبت و شفقت اور انعام و اکرام سزا سے زیادہ متأثر کن ہوتے ہیں۔ اسی لیے اس عمر میں بچوں کی تربیت کے لیے حتی الامکان وہ راستے و طریقے اختیار کیے جائیں جس میں جسمانی سزا کی ضرورت پیش نہ آئے۔

طفل کی اصطلاحی و شرعی تعریف

شریعت نے سنِ پیدائش سے لے کر بلوغت کے دوران کے بچے پر لفظ طفل کا اطلاق کیا ہے۔ ہر وہ بچہ جو بالغ نہیں ہوا خواہ لڑکا ہے یا لڑکی وہ طفل کہلاتا ہے۔ جبکہ بلوغت کے لیے کبھی علامات پر اعتبار کیا جاتا ہے اور کبھی عمر پر جیسا کہ علامہ البابرتی رقم پرداز ہیں:

"لڑکے کے بلوغت کی علامات میں سے احتلام یا احبال ہے یعنی جس کی وجہ سے عورت حاملہ ہو جائے اور لڑکی کی بلوغت کے علامات میں سے حیض آنا یا احتلام ہونا یا حاملہ ہونا ہے"[1]

بلوغت کی زیادہ معتبر صورت علامات سے متعین ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض فقہاء نے بلوغت کو عمر کے ساتھ جوڑا ہے۔ جس میں اختلاف بھی ہے۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

"بچہ کس عمر میں بالغ ہوتا ہے اس بارے فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک لڑکا 18 سال جبکہ لڑکی 17 سال میں بالغ ہو جاتی ہے"[2]

اسلامی فقہ میں بچہ اس وقت تک طفل ہے جب تک وہ بالغ نہیں ہو جاتا۔ جب بالغ ہو جائے وہ طفولیّت سے نکل جاتا ہے۔ فیصل احمد ندوی لکھتے ہیں:

"فقہ اسلامی میں "طفل" کا تصور عموماً 12 یا 13 سال تک ہے۔ لڑکیوں میں بلوغت کا آغاز 8 سے 17 سال میں جبکہ لڑکوں میں 10 سے 18 سال کی عمر کے دوران ہوتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے جیسے لڑکا یا لڑکی میں بلوغت کی نشانیاں رونما ہو جائیں تو وہ "طفل" کی عمر سے نکل جائیں گے"[3]

---

(1)۔ البابرتی، محمد بن محمد، العنایۃ فی شرح الھدایۃ (دار الفکر، 855ھ) 9/27

(2)۔ النووی، محی الدین یحیٰ بن شرف الدین، المجموع (بیروت، دار لفکر، 2010) 6/233

(3)۔ ندوی، فیصل احمد، بچوں کے احکام و مسائل (ادارہ احیائے علم و دعوت لکھنو، مکتبۃ الباب العلمیۃ، طبع اول، 2011) ص:411

قرانِ کریم میں لفظِ طفل کا استعمال

قرانِ مجید میں بھی لفظِ طفل چھوٹے اور نوزائدہ بچوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ﴾[1]

ترجمہ: اور جسے چاہیے ہم ایک مقرر مدت تک رحم میں ٹھرائے رکھتے ہیں پھر تمھیں طفل بنا کر نکال دیتے ہیں تا کہ تم اپنی جوانی تک پہنچو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لفظِ طفل کے مدّ مقابل لفظِ حُلُم استعمال کیا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ حُلُم (بلوغت) کے بعد طفولیّت ختم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾[2]

ترجمہ: اور جب تمہارے چھوٹے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو پھر وہ بھی تمہارے پاس اجازت لے کر آئیں جیسے ان سے پہلے لوگ اجازت لے کر آتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾[3]

ترجمہ: وہ یہ وہ ذات ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے اور پھر جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے پھر تمھیں (ارحام سے) بچے کی شکل میں نکالتا ہے۔

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوا ہے کہ قرانِ کریم نے بھی طفل کا مصداق ان بچوں کو ٹھرایا ہے کہ جو بلوغت کے درجے سے پہلے ہوں۔ اس عمر میں ان پر کوئی شرعی تکلیف عائد نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے کہ والدین اور مربّی تربیت کی غرض سے ان کو کسی کام سے عادی بنائیں۔ مکلف بلوغت کے بعد ہی ہوتا ہے اور اس کے بعد ہی انسان پر شرعی قوانین کا اطلاق ہوتا ہے۔ دین و مذہب کچھ پابندیاں اور ذمہ داریاں بلوغت کے بعد ہی لاگو ہوتی ہیں۔

پاکستانی قوانین میں طفل (بچے) کی تعریف

"پاکستان کے آئین میں بچے کی کوئی واضح تعریف اور عمر کی حتمی حد بندی موجود نہیں ہے۔ تاہم عدالتوں یا دیگر قانونی محکموں میں اگر بچے کے متعلق مسائل پیش آئیں تو دیگر آرٹیکلز کا سہارا لیا جاتا ہے اور انھی کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جبکہ بذاتِ خود طفل کی تعریف شرائط، علامات و کیفیات کے حوالے سے واضح ہدایات نظر نہیں آئی۔

---

(1)۔ الحج:5

(2)۔ النور:59

(3)۔ الغافر:67

اٹھارویں آئینی ترمیم پنجاب کے محکمہ محنت نے بچوں کے کام کرنے کی عمر 15 سال مقرر کی ہے جبکہ دیگر صوبوں نے 14 سال کام کرنے کی عمر رکھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں"[1]

تاہم اکثر اداروں میں اقوامِ متّحدہ میں بچوں کے لیے مقررہ کردہ عمر پر عمل ہوتا ہے۔ اقوامِ متّحدہ میں کمیشن برائے حقوقِ اطفال نے بچے اور بالغ شخص میں حدّ فاصل 18 سال کی عمر کو قرار دیا ہے۔ کمیشن کے مطابق بچے کی تعریف درج ذیل ہے:

"A child means every human being below the age of Eighteen Years unless under the law applicable to the child, majority is attained earlier" [2]

ترجمہ: "وہ تمام انسان جو اٹھارہ سال سے کم ہوں بچے کہلائیں گے سوائے اس کے کہ وہ (بچے) بچوں کے قوانین کے مطابق اٹھارہ سال سے پہلے بلوغت کو پہنچ جائیں"

اس تعریف میں اگرچہ بچے کی عمر اقوامِ متّحدہ کے مطابق 18 سال مقرر کی گئی:

"Child" means any person under the age of eighteen years" [3]

شرعی طور پر بچے کی تعریف اور پاکستانی قوانین میں بچے کا تصور کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اصلاً بچے کی تعریف میں اختلاف ہے۔ اسلام میں کسی بھی بچے کے بالغ ہوتے ہی اس پر شرعی احکام کا نفاذ ہو جاتا ہے اور وہ حدود اللہ میں مقیّد از خود ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کی عمر کچھ بھی ہو کیونکہ بلوغت ہر علاقے، سماج، آب وہوا کا اثر ہوتا ہے۔ ہر علاقے میں بلوغت کی عمر مختلف ہو سکتی ہے۔ اس کے مدّ مقابل پاکستانی قوانین کے نفاذ میں بچے کی عمر کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اگر بچہ اٹھارہ سال سے کم ہے تو بچہ شمار ہو گا اور استثناء کا حقدار ہو گا جبکہ اٹھارہ سال سے زائد افراد قانون کی مکمل پاسداری کے پابند ہونگے جبکہ انھی پر قانون کا نفاذ بھی ہو گا عقلی طور پر بھی عمر کوئی پختہ اور منضبط چیز نہیں ہے اس میں ضرورت کے وقت کمی پیشی کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اس کمی پیشی کی تحقیق کافی دقیق اور مشکل کام ہے۔ جبکہ بلوغت ایک پختہ اور منضبط چیز ہے اور کسی حکم کی بنیاد اس پر رکھی جاسکتی ہے۔ مزید یہ ہے کہ اسے معلوم بھی آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ لہذا ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مکلف ہونے یا نہ ہونے کا تعلق بلوغت سے جوڑنا چاہیے۔

جسمانی تأدیب کا تجزیہ

بچوں کو سزا دینے کے بارے بھی شرعی اور ملکی قوانین میں اختلاف ہے۔ شریعت ایسی سزاؤں کی اجازت دیتی ہے کہ جس سے بچنے کو نقصان نہ ہو اور اس کی اصلاح ہو جائے یہ سزا بھی اس وقت جب تعلیم و تربیت کی باقی

---

(1)۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور (جامعہ کراچی، ادارۃ التحقیق برائے علم و دانش، 2015) ص:32

(2).Social work and the Right of the children Cristina Martins, Munsingen Switzerland, 2002, P: 15

(3).The Prohibition of Corporal Punishment Bill, 2014, National Assembly of Pakistan 2(B)

سب مہارتیں مسدود ہو جائے اور ان کا بچے پر اثر نہ ہو اس کے باوجود بھی فوراً سے سزا نہیں دینی بلکہ تدریجاً سزا کی طرف آنا ہے۔ پہلے سزا کا خوف دلائیں کہ اگر نافرمانی ہو گی تو اس پر سزا بھی ملے گی۔ کوڑے کو یا کسی چھڑی وغیرہ کو گھر یا سکول میں رکھا جائے تا کہ طلبہ یا اولاد اسے دیکھا کرے۔ اس کے بعد بھی اگر اثر نہیں ہوتا تو پھر اسی قدر مشروط سزا ہے کہ جس سے اصلاح کا ظنِ غالب ہو، دی جاسکتی ہے۔ اسلام نے سزا کے وجود کو تسلیم کیا ہے مگر اسے مقاصد سے جوڑ کر استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر حالات و قرائن سے معلوم ہو کہ طالب علم کی اصلاح نہ ہو پائے گی تو اسلام وہاں کم سزا دینے سے بھی منع کرتا ہے اور اس معاملے کو اللہ کے سپرد کرنے کا کہتا ہے۔ بہر حال کسی درجے میں سزا اور ڈانٹ ڈپٹ کا وجود لازمی ہے۔

اس کے برعکس پاکستانی قوانین میں بچوں کی سزا کو بلا استثنیٰ بالکل ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ تعلیم و تدریس کے کسی بھی درجے میں اسے روا نہیں رکھا گیا۔ بلکہ 2014 میں قومی اسمبلی کے بل برائے تحفظِ اطفال میں سزا کی ہر قسم اور ہر کیفیت کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ اس میں طلباء کے مزاج، ماحول، علاقہ، حالت و کیفیت اور خاندانی امتیاز کے بلا تمیز سختی، تشدد اور سزا کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کے منظوری کے بعد مزید تفصیل کے ساتھ محکمہ تعلیم پنجاب نے ایک مراسلہ جاری کیا جس میں طلبہ کو کسی بھی تکلیف دہ کیفیت میں رکھنے کو بھی غیر قانونی قرار دیا گیا۔ اگرچہ پاکستان کے اہم اداروں میں عملی طور پر ایسی سزائیں نافذ ہے کہ جن سے سزا یافتہ شخص کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے اور ورزش کی شکل میں اس کے جسم کو قوت بھی ملتی ہے۔ سزا کا مطلب صرف ڈنڈے یا کسی دوسری چیز سے مارنا نہیں ہے بلکہ سزا کا مفہوم یہ ہے کہ غلطی کرنے والے کی اصلاح کی جائے اور اسے نقصان بھی نہ ہو۔ اس نوعیت کی سزا کافی اداروں میں موجود بھی ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ تعلیم و تدریس کا اصل مقصد اپنے طلباء کی اصلاح کرنا، ان کی تہذیب کر کے معاشرے کے لیے مفید شہری بنانا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا حقدار بنانا ہے۔ اور یہ کام جہاں تک ہو سکے نرمی اور شفقت سے کیا جانا چاہیے۔ اور طلبہ کے مزاج اور درجات کے سامنے رکھتے ہوئے تعلیمی اداروں کے لیے شرعی اور نفسیاتی اصولوں کے امتزاج سے ایسے قانونی بنانے چاہیں کہ جو تمام طبقات کے طلبہ کے لیے یکساں مفید ہو اور رسول اللہ ﷺ کے اس فرمانِ مبارک پر بھی مکمل عمل ہو:

((أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ))[1]

ترجمہ: لوگوں کے ساتھ ان کی منزلت کے مطابق سلوک کرو۔

(1)۔ سجستانی، سنن ابو داؤد، باب فی تنزیل الناس منازلھم، ح:4842، حکم الحدیث ضعیف، 4/ 261

بین الاقوامی قوانین کا جائزہ

عالمی طور پر بچوں کی تعلیم و تربیت میں جسمانی تأدیب کو ممنوع قرار دینے کے لیے کام کرنے والی تنظیمیں اکثر مذہب بیزار اور " Humanism "(انسانیت) و"lndividualism"(انفرادیت) کے علمبردار ہیں۔ عصرِ حضر میں ترقی یافتہ ممالک پر ان لوگوں کا اثر زیادہ ہے۔ یہ لوگ انسانوں کو فطرتاً آزاد خیال کرتے ہیں۔ ان کی کوئی خاص تہذیب و تمدن نہیں ہے اور نہ ہی لمبے عرصے تک یہ لوگ کسی خاص قانون کی پابندی کرنے کے قائل ہیں بلکہ ان کے قوانین انسانی خواہشات و رجحانات کے مطابق ہوتے ہیں جو کسی بھی وقت رائے عامہ کے ذریعے تبدیل و منسوخ ہوسکتے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ یہ لوگ مذہب کی پابندی کو بھی لازم نہیں سمجھتے۔ اقوامِ متحدّہ کا حقوقِ اطفال کے بارے ہونے والے کنوینشن میں کہا گیا کہ اگرچہ مذہبی گروہ بچوں کی جسمانی تأدیب کو جائز مانتے ہیں لیکن ہم مذہبی آزادی تو دے سکتے ہیں لیکن مذہب کی آڑ میں بچوں کی تأدیب کی آزادی نہیں دے سکتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے ہاں اپنے بنائے ہوئے قوانین مذہب -خواہ کوئی بھی ہو- سے بالاتر اور اعلیٰ ہیں۔ کنویشن میں کہا گیا:

"Vocal opposition to banning all corporal punishment comes in some countries from minority religious groups, quoting texts which, they believe, give them a right or even a duty to discipline their children with violence. While freedom of religious belief should be respected, such beliefs cannot justify practices which breach the rights of others, including children's rights to respect for their physical integrity and human dignity."(1)

ترجمہ: جسمانی تأدیب پر پابندی کے خلاف سب سے زیادہ مخالفت اقلیّتوں کی طرف سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت اور نظم وضبط کا خیال اپنے عقائد کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ مذہبی عقائد کا احترام کرنا چاہیے، مگر اس وقت تک کہ جب یہ دوسروں کے حقوق پر اثر انداز نہ ہوں، بالخصوص بچوں کے حقّ انسانی احترام اور جسمانی خود مختاری پر۔

چونکہ ترقی یافتہ ممالک میں ان لوگوں کا غلبہ ہے اس لیے ان ممالک میں اکثر حقوقِ انسانیت کے نعرے بلند ہوتے ہیں اور آئے روز ان کے مطالبات و مقاصد میں تبدیلیاں وقوع پزیر ہوتی رہتی ہیں۔ حقوقِ نسواں کے نام سے مرد و زن کی برابری کا اعلامیہ ہو یا حقوقِ اطفال کے نام پر تأدیب و سزا پر پابندی یہ سب ان لوگوں کا جدید اختراع ہے۔ حقوقِ اطفال کے لیے کام کرنے والی تنظیموں نے حکومتوں سے ایسے قوانین منظور کروالیے ہیں کہ جن کے

(1).Prohibition of corporal punishment: Article 19, Vol: 1, December 2005, P: 10

ذریعے والدین گھروں میں اپنی اولاد کو اچھائی اور برائی کی تمیز کرنے کے لیے کسی بھی درجہ کی سختی نہیں کر سکتے۔ جبکہ تعلیمی و تربیتی اداروں میں استاد و مربّی بھی مجبور و بے بس ہیں۔ جس معاشرے میں بے راہ روی اور خاندانی نظام بری طرح متاثر ہو گیا ہے۔ سائنسی ترقی تو حاصل ہوتی لیکن انسان کی روحانیت ختم ہو کر رہ گئی۔ کیونکہ ان کے ہاں ضابطہ اخلاق ان کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ اور یہ اختیار نہ صرف بڑے اور بالغ لوگوں کے پاس ہے بلکہ بچے بھی اس اختیار پر مکمل حق رکھتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں والدین بچوں کو برائی کرتا دیکھ کر بھی روک نہیں سکتے بلکہ اس کے باقاعدہ قوانین ہے کہ اگر والدین بچوں پر سختی کرے تو بچے حکومت سے رجوع کر سکتے ہیں۔ جس میں والدین کو جوابدہ ہونا پڑتا ہے۔ مذہبی گرہوں اور انسانیت و انفرادیت پرستوں کا جسمانی تأدیب کے حوالے سے رجحانات کا موازنہ درج ذیل نکات سے واضح ہوتا ہے۔

1. بین الاقوامی قوانین جن پر غیر مذہبی گروہوں کا غلبہ ہے ان کے قوانین کی بنیاد مادیّت اور تجربات ہیں۔ حالانکہ یہ بات مسلّمہ ہے کہ تمام انسانوں کے لیے یکساں قوانین بنانے کے لیے اگر خاص علاقے کے لوگوں کے سامنے رکھ کر تجربات اور مشاہدات کئے جائیں گے تو وہ ناقص ہونگے کیونکہ ہر علاقے نسل اور آب و ہوا کے لوگ مختلف طبائع کے ہوتے ہیں۔ بعض اس قدر نازک طبیعت کے ہوتے ہیں کہ ہلکی سی سختی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے جبکہ بعض ایسے علاقے ہے کہ جن کے باشندے سخت اور جان فشا طبیعت کے ہوتے ہیں اور سختی کے جھیلنے کی مکمل صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے رویّوں اور عادات کو تبدیل کرنے کے لیے نرمی کارآمد نہیں ہوتی۔
2. دوسری طرف اسلام جو تعلیمات دیتا ہے اور اس کی بنیاد وحی پر ہے۔ جس میں تمان دنیا کے انسانوں کو سامنے رکھ کر حکم دیا جاتا ہے۔ اس لیے اسلامی تعلیمات میں لوگوں کی اصلاح کے لیے جہاں نرمی کو اولیّت فوقیّت حاصل ہے وہی بقدرِ ضرورت تأدیب کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اگر تأدیب و سزا مقصود بذاتِ نہیں ہے بلکہ لوگوں کے طبائع کے مطابق اور ناگزیر حالات میں مشروط جواز ہے۔
3. تعلیم و تدریس میں انعام و اکرام کے ساتھ ساتھ حذر و ترھیب نہ ہونے کی وجہ سے یورپی ممالک میں سائنسی اور مادی ترقی عروج پر ہے لیکن اس کے ساتھ لوگوں کے اخلاقی معیارات پستی کا شکار ہیں۔ جس کی اصل وجہ والدین اور مربّی کا تربیت کی راہ میں مجبور ہونا ہے۔ یہ واضح ہے کہ تأدیب و سزا کے ذریعے تخریب کار لوگوں کی ہی اصلاح کی جاتی ہے اور وہی لوگ معاشرے کے فساد کا سبب بنتے ہیں۔ جبکہ صالح النفس لوگ تو وعظ و نصیحت سے اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ سختی کی ضرورت پیش نہیں آتی اور نہ ہی ان لوگوں سے معاشرے میں فساد پھیلتا ہے۔ اگر دونوں لوگوں کی اصلاح کے لیے ایک ہی طریقہ اختیار کیا جائے تو دونوں میں سے ایک طرف تو خلارہ جائے گا اور رہ بھی رہا ہے۔

❹ اسلام مادی اور سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاقیات اوت روحانیت کا بھی درس دیتا ہے۔ سائنسی اور مادی ترقی ہر شخص کے لیے لازم نہیں ہے جبکہ اسلام اخلاقیات اور روحانیت کو ہر شخص کے لیے لازم قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے دوسرے لوگ اور ان کے جان ومال متأثر ہوتے ہیں۔ اس لیے تعلیم وتدریس سے اصل مقصد سائنسی اور مادی ترقی نہیں ہے، بلکہ اصل انسان کی تہذیب ہے۔ جب انسان مہذب ہو جائے اور اخلاقیات کے معیار پر پورا اترے اس کے بعد دنیاوی ترقی ہے۔ وگرنہ سائنسی اور مادی ترقی دنیا کی تباہی کے سوا کچھ نہیں ہو گی۔

❺ تعلیم و تدریس میں معلّم کا ایک خاص معیار ہے۔ اگر معلّم کو اس مخصوص مقام سے نیچا کیا جائے تو اس سے نہ صرف تعلیمی ماحول متأثر ہو گا بلکہ مقاصدِ تعلیم بھی حاصل نہیں ہو پائیں گے۔ تعلیم و تدریس میں جسمانی تأدیب کے متعلق اور دیگر قوانین جو عالمی دنیا میں متعارف کروائے ہیں۔ ان میں معلّم کی حیثیت ایک مشن جیسی ہے کہ جس سے طالب علم کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ طالب علم اس کو استعمال کرتا ہے۔ جبکہ اسلام معلّم کو روحانیت کا ایک مقام دیتا ہے اور طالب علم کے ساتھ ایک نہ ختم ہونے والا رشتہ استوار کرتا ہے۔ جس سے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی ہوتی ہے اور معاشرے میں ربط بھی مضبوط ہوتا ہے۔

جسمانی سزا کا حل

عصرِ حاضر میں بچوں کی تعلیم اور اچھی تربیت والدین کے سب سے ہم اور بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ جیسے جیسے سائنسی ترقی اور جدید ذرائع اتّصالات متعارف ہوتے جا رہے ہیں ویسے ویسے اچھی تربیت مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ اب تک کی تبدیلیاں بچوں کی تربیت میں والدین کے لیے طویل المیعاد اور صبر آزما کام بن گئیں ہیں۔ لہذا از حد ضروری ہے کہ ابتداء میں ہی بچوں کی اچھی تربیت کر لی جائے تا کہ بعد کی آزمائشوں سے بچا جا سکے اور بچوں پر خوب محنت کی جائے تا کہ سزا دینے کی نوبت نہ آئے۔ کیونکہ بچپن کی تربیت انسان پر ان مٹ نقوش چھوڑ جاتی ہے۔ جس سے واپسی سوا امید کے کچھ نہیں ہوتی لہذا والدین اور اساتذہ کو بروقت اپنے بچوں کی تربیت کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔

"ایسا نہ ہو کہ درد بنے دردِ لازوال ایسا نہ ہو کہ تم بھی مداوا نہ کر سکو"

تعلیم و تربیت میں جسمانی سزا کا تعلق چونکہ تین اداروں یعنی والدین اساتذہ اور ملکی قوانین سے ہے۔ ان تینوں میں موجود کمزوریوں کو دور کرنا ہو گا اور بچوں کی تربیت کے حوالے سے تینوں میں یکسانیت اور نظریاتی اتحاد ضروری ہے۔ لہذا اس مسئلے کے حل کے لیے والدین، اساتذہ اور قانون اداروں کے لیے ہدایات حسبِ ذیل ہیں جن کے ذریعے ہم تعلیمی اداروں اور تربیت گاہوں سے جسمانی سزا کو ختم یا محدود کر سکتے ہیں۔

والدین کے لیے ہدایات

بچوں کی تربیت میں والدین کا کردار سب سے اہم ہے جس کا بچوں کی ساری زندگی پر اثر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ والدین بچوں کے اچھے یا برے انجام کے ذمہ دار ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کے تربیت کے اوّلین ذمہ دار ہیں اور تربیت پر وراثت اور ماحول سب سے زیادہ اثر بھی کرتے ہیں۔ بچوں کی نفسیات اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں والدین کے لیے چند اصول حسبِ ذیل ہیں۔

1. **جسمانی نشو نما:** بچوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ بچوں کی جسمانی نشو نماء پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ کیونکہ اچھا اور صحت مند دماغ صحت مند جسم میں ہوتا ہے۔ اگر بچے کی صرف ذہنی تربیت اور تعلیم پر ہی ساری توجہ رکھی جائے اور جسمانی صحت کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس بچے کو بیماریاں لگ جاتی ہیں۔ یا جسم کی ساخت مند پڑھ جاتی ہے۔ جسمانی ہیئت و کیفیت کی مکمل نشو و نماء بھی ایسی ہی ضروری ہے جیسا کہ تعلیم و تربیت ضروری ہے۔ صحت مند جسم کے بغیر بچہ نہ تو تعلیم میں اچھی کارکردگی دیکھا سکتا ہے اور نہ ہی اچھی تربیت پا سکتا ہے
2. **سستی سے بچنا:** سستی اور کاہلی بہت بڑی اور عالمی بیماری ہے جس کا انسان کو ادراک بھی نہیں ہوتا اور جسم گونا گونا بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور طبیعت میں ایسا بوجھل پن آجاتا ہے جس سے کسی کام میں دل نہیں لگتا اور ایسے بچے یا بڑے ہو کر ایسے لوگ دوسروں پر تکیہ کرتے ہیں اور سہارے تلاش کرتے ہیں۔ لہذا روزِ اوّل سے ہی بچوں میں سستی کا غصہ ختم کرنا چاہئے۔ یہ سستی اور کاہلی کی ہی وجہ ہوتی ہے جس کے ذریعے انسان دوسروں سے کام کروانے کا عادی ہو جاتا ہے اور اس میں جائز و ناجائز راستے تلاش کرتا ہے۔
3. **لسانی تربیت:** والدین اور مربّی کو بچوں کی زبان اور گفتگو کی تربیت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے کیونکہ بچپن میں بچہ جیسی گفتگو اور زبان کے آداب سیکھے گا پھر ساری عمر ایسی روش پر چلے گا۔ بچے کی زبان کی اصلاح و تربیت کے لیے ان کے ساتھ اور ان کے سامنے نرمی سے بات کرنی چاہئے۔ شائستہ لحظہ اپنانا چاہیے اچھے الفاظ سے انتخاب و استعمال کرنا چاہیے تاکہ یہ انداز و الفاظ ان میں سرایّت کر جائیں۔ عربِ قدیم و جدید اس اہمیت سے واقف تھے اس لیے وہ اپنے بچوں کی فصاحتِ لسان اور عمدگی کے لیے ان کو قبائلی اور دیہی علاقوں میں پرورش کیلئے بھیجا کرتے تھے۔ بچوں کو یہ لازمی سیکھاتیں کہ کب، کیسے، کہاں اور کونسے الفاظ بولنے ہیں اور کونسی بات کرنی ہے، اگر بچوں کو بولنے کا سلیقہ نہیں سیکھایا گیا تو ان کی تربیت میں گہرا خلیج واقع ہو گا۔

"زبان اپنی حد میں ہے بے شک زباں　　بڑھے ایک نکتہ تو یہ ہے زیاں"

❹ **استفسار و تجسس:** تجسس و استفار کا مادہ ہر انسان میں ہوتا ہے لیکن بچہ چونکہ اکثر چیزوں سے ناواقف ہوتے ہیں اس لیے ان میں یہ مادہ بڑوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے اکثر بچے اکثر چیزوں کے بارے بار بار سوال کرتے ہیں۔ جو کہ ایک اچھی اور عمدہ صلاحیت ہے یہی مادہ انسان کو آگے بڑھنے اور ترقی کی طرف لے کر جانے میں مدد ہوتا ہے۔ اس لیے دورانِ تربیت بچوں کی اس صلاحیت کا خاص خیال رکھا جائے اور جہاں تک بچے کی بساط ہو، اسے اشیاء کی جزئیات سے آگاہ کیا جائے۔ بچوں کی استفساری صلاحیت کو مثبت رخ دینا ضروری ہے۔ بچے کے سوالوں پر ان کو خاموش کروانا یا جھڑکنا بچوں کی تجسس کو ختم کر دیتا ہے یا جن بچوں میں یہ صلاحیت زیادہ ہو پھر وہ دیگر ذرائع سے ان سوالات کے جوابات تلاش کرتے ہیں جس سے جواب کے ساتھ ساتھ دیگر منفی چیزیں بھی ان کے ذہن میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اس لئے بچوں کے سوالات کے تشفی بخش جواب دینا چاہیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بچوں کر ہر بات بتا دینی چاہیے بلکہ ایسی حکمت اپنانی چاہئے کہ اگر بچے سے کوئی چیز چھپائی بھی جارہی ہو تو اسے محسوس نہ ہو۔[1]

❺ **جمالیاتی ذوق:** بچوں کی تربیت کا ایک اہم جزو یہ ہے کہ ان میں ذوق جمالیاتی پیدا کیا جائے۔ بعض بچوں میں فطری طور پر یہ جمالیاتی حسن زیادہ ہوتا ہے۔ خصوصاً بچیوں میں یہ حِس بہت اچھی ہوتی ہے جس کا بھرپور خیال رکھنا والدین اور مربّیین کیلئے ضروری ہے۔ اسی سے زندگی میں حسن و نکھار پیدا ہوتا ہے۔ بچوں کی اس انداز میں تربیت کرنی چاہئے کہ ان میں حسن و تربیت و تنظیم و حسنِ معاملات پیدا ہو۔ جس سے ان میں ذوقِ جمالیات اور طبع کی نفاست پیدا ہو گی۔ ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ دینا یا مناسب جگہ پر رکھنا اعلیٰ حصائص میں سے ہے۔

❻ **جذبات کا خیال:** بچوں میں جذبات کی بڑھوتری اور نشو نما تدریجاً ہوتی ہے۔ بچپن میں بچے جذبات کا براہِ راست اظہار کرتے ہیں جو کہ بچپن کا حُسن ہے۔ اپنی معصومانہ حرکتوں اور بھولین اور شرارتوں کی وجہ سے بچہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتا ہے۔ لہذا تربیت کنندگان کیلئے ضروری ہے کہ بچے کے بچپن کا خاص خیال رکھیں۔ والدین اور اساتذہ اپنے غصے، سخت مزاج اور تندی سے بچے کو بزرگ بنا دیتے ہیں جس سے بچے کی شخصیت متاثر ہو کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بات ضروری ہے کہ بچوں کو تربیت میں یہ سیکھایا جائے کہ ہر وقت اور سب لوگوں کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات اپنے جذبات کو چھپانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اگرچہ جارحیت اچھا وصف نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بچے کو بالکل ہی غصہ نہیں آنا چاہیے بلکہ غصہ اور جارحیت کا درست استعمال بچوں کو سیکھانا چاہیے۔ زندگی کے بعض امور جیسے اپنی عزت کی حفاظت، دین کی حفاظت، اپنے اہل و عیال، والدین اور خاندان کی حفاظت اسی طرح اپنے ملک دفاع کے لیے غصہ اور

(1). https://hamariweb.com/articles/108577#.Y2yGhfs_9ni

غیرت بچے میں ہونا ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے غصہ کرنے سے منع کیا ہے[1] لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ غصہ بالکل نہیں کرنا بلکہ مطلب یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں کوئی اہم کام نہیں کرنا۔ بہر حال اگر بچپن سے بچوں کے جذبات کو سمجھ کر اس کی درست سمت میں رہنمائی کی جائے تو مار پیٹ کی ضرورت از خود ختم ہو جاتی ہے۔

❼ **فیصلہ کرنے میں آزادی:** آزادی انسانی فطرت کا اہم تقاضا اور مطالبہ ہے۔ بچے اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ گھر اور معاشرے والے لوگ ان کی آزادی کو تسلیم کریں اور اپنی نجی زندگی میں گھر والوں کی مداخلت کرنا پسند کرتے ہیں۔ دوسری طرف اکثر والدین اپنے بچوں پر ہر ہر حکم کو زبردستی نافذ کرتے ہیں۔ جس سے ان کی آزادیِ نفس مجروح ہوتی ہے۔ بچوں کو اگرچہ ہر امر میں کھلی آزادی نہیں دی جاسکتی کیونکہ وہ عقلی اور عملی طور پر پختہ نہیں ہوتے، تاہم ایسے معاملات کہ جن کے انتخاب سے بچوں کو ذہنی، جسمانی اور تربیتی نقصان نہ ہو ان میں والدین کو چاہیے کہ بچوں کو ایک سے زیادہ کاموں میں انتخاب کا اختیار دیں تاکہ وہ اپنے لیے اچھے کا انتخاب خود کر لیں۔ اس سے بچوں کی ذہنی نشوونما ہوتی ہے اور ان میں قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح تعلیمی اداروں میں بھی اساتذہ کرام کو طلبہ پر ہر حکم بزورِ شمشیر نافذ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اختیاری امور میں طلباء کو آزادی دینی چاہیے۔

❽ **اچھائی کا حکم اور برائی پر تنبیہ:** بچوں کی تربیت اور اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کے احوال کی بھی اصلاح کو مدِّ نظر رکھا جائے۔ غلط کاموں پر بچوں کی بے جا حمایت بچوں کو بگاڑ دیتی ہے۔ استاد یا والدین اگر بچے سے محبت کرتے ہوئے ان کی غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح نہیں کریں گے تو اسی محبت مزید ان کے زیرِ تربیت و زیرِ تعلیم بچوں کی غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کریں نا کہ ان کے بارے منفی سوچ رکھنی چاہیے کیونکہ اس کا اصل نقصان بچے اور بچے کے مستقبل کا ہو گا۔ لیکن ضروری ہے کہ بچے کو کسی کام سے روکنے سے پہلے اسے ترغیب و تحریض دلائی جائے فوراً حکم نہ دیا جائے تاکہ اس کے ذہن میں اس برائی سے نفور ثبت ہو جائے۔ اگر عارضی طور پر بچی بغاوت پر آمادہ معلوم ہو تو کچھ وقت کے لیے تأخیر کی جائے اور اس کے بعد اصلاح کی جائے۔ لیکن بچہ مستقل ضد کرے اور انا میں آجائے تو پھر ضد پوری نہیں کرنی چاہیے کہ اس سے بھی منفی اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح نیک اور اچھے کاموں پر حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور انعامات سے دلجوئی کرنی چاہیے۔ لیکن حوصلہ افزائی میں تعریف یا انعام میں اس قدر مبالغہ نہ ہو کہ بچہ غرور و تکبر میں مبتلا ہو۔ اولاد کی تربیت اور طلباء کی صحیح تعلیم صحیح معنوں میں مشکل اور صبر آزما کام ہے۔

---

(1)۔ بخاری، صحیح البخاری، باب الحذر من الغضب، ح:6116، 8/28

❾ **سیر و تفریح:** سیر و تفریح بچوں کی جملہ قسم کی نشوونما او خارجی احساسات کی بیداری کا اہم ذریعہ و وسیلہ ہے۔گھروں اور تعلیمی اداروں میں طلباء کے لیے موزوں اور صحت مند تفریح کا اہتمام کرنا چاہیے۔ سیر و تفریح دراصل دل کی راحت اور ذہنی فرحت کا نام ہے۔ اگر بچوں کا ترغیب کے ذریعے ایسا مزاج بنادیا جائے کہ وہ کتب بینی، ورزش اور جسمانی کھیلوں سے فرحت و راحت حاصل کریں تو "ہم خرما و ہم ثواب" کی ضرب المثل ان پر صادق آئے گی۔ جس سے ان کے جسم بھی مضبوط ہونگے اور ذہن بھی تازہ ہونگے، جسمانی کھیلوں سے بچے تھک جاتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد کھیل ختم کر دیتے ہیں۔ آئندہ کے کاموں کے لیے تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پڑھائی کے درمیان کھیلوں کو وقفہ طلبہ کو بور نہیں ہونے دیتا۔ اور مسلسل پڑھائی سے ذہن پر جو بوجھ بن جاتا ہے اس کا بھی مؤثر متبادل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک جگہ یا کسی اندھیرے میں بیٹھ کر ویڈیو گیمز اور انٹرنیٹ کے استعمال سے ایک تو طلباء کا دل بھی نہیں بھرے گا اور ذہنی کمزوری کا سبب بھی بنے گا۔ تفریح کا مقصد دل و ذہن کو تازگی دینا ہے جو کہ حقیقی تفریح سے حاصل ہوتا ہے سکرین پر ہریالی اور باغات کی سیر سے تفریح ممکن نہیں ہے۔

اساتذہ کے لیے ہدایات

والدین کے بعد تعلیمی ادارے بچوں کی براہِ راست تربیت و تعلیم کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ تعلیمی ادارہ چونکہ تعلیم کے لیے منظّم کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش اساتذہ کے ذریعے کی جاتی ہے۔ اس لیے تعلیمی ادارے میں اساتذہ کا کردار سب سے اہم ہے۔ طلباء براہِ راست استاد سے متأثر ہوتے ہیں اور ان کے اعمال کو اپناتے ہیں۔

بعض اوقات بچے اپنے والدین سے بھی زیادہ اپنے استاد سے متأثر ہوتے ہیں اور ان کی بات والدین سے بڑھ کر بھی مانتے ہیں۔ اس لیے تعلیم و تدریس میں جسمانی تأدیب سے حتی الامکان بچنے کے لیے اور بچوں کی بہترین تعلیم کے لیے اساتذہ کو حسبِ ذیل ہدایات پر عمل کرنا چاہیے۔

1۔ استاد کے لیے سب سے ضروری ہے کہ وہ مطالعے اور معاشرے کے ساتھ عملی تعامل کے ذریعے اپنے علم کو وسعت دے۔ استاد کو اپنے مضمون پر مکمل گرفت اور سیر حاصل معلومات ہونی چاہیے۔ بطورِ استاد میں نے اس چیز کا مشاہدہ کیا ہے کہ اگر استاد علم میں پختہ اور روز مرہ کے حالات کے بارے اچھا علم رکھتا ہو تو طلبہ اس سے بہت متأثر ہوتے ہیں۔ اچھے طلباء ایسے طلباء کے قریب رہنا پسند کرتے ہیں۔ جب دیگر طلباء، اچھے طلباء کو استاد کے سامنے ادب سے پیش آتے دیکھتے ہیں تو وہ بھی استاد کا احترام کرتے ہیں۔ ایسے استاد کی بات مار سے کئی زیادہ اثر دیکھاتی ہے۔ اس لیے استاد وسعتِ علم کا حاصل ہونا چاہیے۔ اس طرح جسمانی سزا کی ضرورت تقریباً ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

2۔ طلباء ہمیشہ استاد کی شخصیت سے متاثر ہوتے ہیں۔ طلباء اساتذہ کے عمل کو دیکھتے ہیں اس لیے استاد کی شخصیت باوقار ہونی چاہیے تاکہ طالبِ علم کا اس پر اثر ہو۔ استاد کی شخصیت میں صاف ستھرا لباس، بہترین اندازِ گفتگو، باوقار اور نیک چال چلن شامل ہیں۔ استاد کو اپنی شخصیت کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ استاد کی اعلیٰ شخصیت سے طلبہ کے دل میں استاد کا احترام پیدا ہوتا ہے اور طلبہ اطاعت کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس سے سزا دینے کی نوبت ختم ہو جاتی ہے۔

3۔ بہترین استاد وہ ہے کہ جو طالب علموں کی ذہنی سطح کے مطابق ان سے گفتگو کرے۔ چھوٹی کے بچوں کو عموماً عملی مشاہدے کے ذریعے پڑھانا آسان اور بہتر ہوتا ہے جبکہ بڑی عمر کے اور اعلیٰ کلاسس کے بچوں کے لیے لیکچر سسٹم زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹی عمر کے بچوں کو منطقی زبان سمجھ نہیں آتی اور بڑی جماعتوں کے طلبہ نے عملی مشاہدہ کیا ہوتا ہے۔ اس لیے استاد کو بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق ہی پڑھانا چاہیے۔ اکثر اوقات سزا اور مار پیٹ کی نوبت اس وقت پڑتی ہے جب بچوں کی استاد کی سمجھ نہیں آرہی ہوتی ہے۔ اس لیے جسمانی سزا کی ضرورت کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سبق طلبہ کی ذہنی وسعت کے مطابق ہو۔

4۔ اکثر طلبہ کو سزا اس لیے بھی دی جاتی ہے کہ وہ نظم وضبط کی پابندی نہیں کرتے۔ اس لیے استاد کو نظم وضبط کی پابندی میں خود کو مثال بنانا چاہیے۔ دورانِ تدریس استاد نظم وضبط کی پابندی کا خاص خیال رکھے اور بلاوجہ طلباء پر مسلط نہ رہے۔ اس کے علاوہ ادارے کے قوانین کی پابندی بھی اولاً استاد کریں گے۔ اگر استاد خود نظم وضبط کا پابند نہیں ہو گا تو اس کے طالبِ علم بھی پابندی نہیں کریں گے۔ لہذا جسمانی سزا کے اس سبب کو بھی استاد نے اپنے عمل سے ختم کرنا ہے۔

5۔ طلباء اور بچوں میں لڑائی جھگڑا عام سی بات ہے۔ لڑائی جھگڑا ہو یا انعام واکرام یو سزا کا معاملہ ہو ہر حال میں سب کے درمیان انصاف کرنا چاہیے۔ طلباء میں انصاف نہ کرنے سے بہت سی معاشرتی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جس کے اثرات سے اساتذہ خود بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ استاد کے لیے ضروری ہے کہ طلبہ میں ایسا رویّہ رکھے کہ جس سے آپس میں محبت الفت اور ہمدردی کی فضا پیدا ہو تاکہ ایسا غیر منصفانہ ہو کہ جس سے طلبہ کی آپس میں یا اساتذہ کے لیے حسد، بغض وعناد پیدا ہو۔

6۔ استاد کے باعمل ہونا بہت ضروری ہے۔ استاد جن تعلیمات کا پرچار کر رہا ہے لازم ہے کہ وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہو۔ اکثر اساتذہ کو دیکھا گیا ہے کہ طالب علموں کو اس عمل پر سزا دیتے ہیں کہ جو خود بھی کرتے ہیں۔ اس طرح جسمانی سزا تعلیم سے ختم نہیں ہو سکتی بلکہ ایک تضاد کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عملی مثال کے متعلق فرمایا:

﴿لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾[1]

ترجمہ: تم وہ بات کیوں کرتے ہوں جو کرتے نہیں ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک جامع اصول دے دیا ہے کہ صرف قول سے دوسرے لوگوں کو عمل کے لیے مائل نہیں کیا جاسکتا بلکہ خود عملی نمونہ ضروری ہے۔

قانون سازوں کے لیے ہدایات

اس وقت دنیا میں کچھ ممالک آزادانہ قانون سازی کرتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرتے ہیں جبکہ کچھ ممالک ادیان و مذاہب کی پابندی کرتے ہیں۔ انسانی زندگی گزارنے کے لیے قانون سازی کرنا یہ اس قدر مشکل امر ہے کہ انسان آج تک اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ آج تک جتنے بھی ایسے قانون بنائے گئے جن میں ماخذ صرف انسانی عقل، استقراء و مشاہدہ تھا، سن ناکام ہوگئے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کا ایمان یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے قانون سازی کا ادارہ نہیں بلکہ قانون کے نفاذ کا ادارہ ہونا چاہیے اور قانون وہی ہونگے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں۔ یہ بھی مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی طرف جو ہدایات نازل کی ہیں وہ جامع ہیں اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ہیں۔ کوئی بھی شعبہ ہائے زندگی میں سے ایسا نہیں ہے کہ جس کے متعلق ہدایات موجود نہ ہوں۔ لہذا قانون سازی کے بجائے اس قانون پر عمل درآمد کروانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے تمھاری طرف جو کتاب نازل کی اس میں ہر شے کی وضاحت ہے۔

ہمارا ملک پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے۔ جس کا آئین اسلامی قوانین کا پابند ہے۔ 1973 کے آئین میں مکتوب ہے کہ ملک میں کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا کہ جو اسلامی تعلیمات سے متصادم ہو۔ لہذا قانونی ماہرین کو چاہیے کہ:

1۔ ملک میں کوئی بھی قانون لاگو کرنے سے پہلے اسلامی تعلیمات سے موازنہ کرلیں۔

2۔ اسلامی تعلیمات سے متصادم یا مختلف قانون کو لاگوں نہ کریں تاکہ ملک کے آئین اور جدید قانون میں متصادم نہ آئے۔

3۔ ایسے قانون جو مسلّمہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں ان میں ترمیم کرنی چاہیے۔

4۔ قانون سازی کے ادارے میں ایسے لوگوں کا انتخاب کرنا چاہیے کہ جو اسلامی تعلیمات کی گہرائی سے واقف ہوں۔

---

(1)۔ الصف:2

(2)۔ النحل:89

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طلبہ یا بچوں سے ہمارا اصل مقصود ان کی تربیت کرنا اور انھیں اچھا انسان بنانا ہوتا ہے۔ سختی اور نرمی کے تمام مراحل اور تکنیکیں اسی ایک مقصد کیلئے اپنائی جاتی ہے۔ تاہم سختی سے اصلاح کے ساتھ ساتھ نقصان ہونے کے خطرات زیادہ ہوتے ہیں جبکہ صرف نرمی بھی اس کمزوری سے خالی نہیں ہے لہذا درمیان اور وسط کا راستہ اپناتے ہوئے اپنے طلباء اور اولاد کی تربیت کرنی چاہیے۔

باب سوم:

بچوں کی جسمانی تأدیب کے سماجی اثرات

فصل اول: جسمانی تأدیب کے شخصیت پر اثرات

فصل دوم: جسمانی تادیب کے نفسیاتی اثرات

فصل ثالث: جسمانی تادیب کے سماج پر اثرات

فصل اول:

جسمانی تأدیب کے شخصیت پر اثرات

تأدیب کے اثرات اسی سے واضح ہو جاتے ہیں کہ اسلام نے اس کی صرف ناگزیر حالات میں ہی مشروط اجازت دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی بنیاد پر انسانوں کی نفسیات کو سب سے زیادہ جانتے ہیں انھوں نے بھی استاد کو کسی طالب علم کے لیے تین سے زیادہ چھڑیاں روا نہیں رکھی۔ سزا اگر حد سے زیادہ اور بے محل ہو تو اس سے طالب علم یا کسی بھی ہنر کا طالب متأثر ہوتا ہے۔ اور یہ اثر نہ صرف اس کی انفرادی زندگی پر ہوتا ہے بلکہ اس کی اجتماعی زندگی بھی اس سے متأثر ہوتی ہے۔ کسی بھی معاشرے یا سماج کے بہتری کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ اپنے آئندہ لوگوں کے لئے کیسی تربیت مہیا کرتا ہے۔ اگر سماج اپنے بچوں کے لیے متشددانہ ماحول فراہم کرے گا تو اس سے پیدا ہونے والے افراد بھی تشدد پسند ہونگے اور ان کے رویّوں میں بھی جارحیت نمایا ہوگی۔ سزا ایک ایسا آلہ اور ذریعہ ہے کہ یہ ہر بچے کی تعلیم و تربیت کے لیے کار آمد نہیں ہے بلکہ اکثر اوقات اس کے فوائد سے زیادہ نقصانات سامنے آتے ہیں۔ زیرِ تربیت طالب علموں کی انفرادی زندگی پر عموماً سزاؤں کے درج ذیل اثرات ہوتے ہیں۔

تأدیب اور تشدد سے علم کا بھول جانا

ہمارے معاشرے میں عموماً سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ اس سے طالب علموں کی کارکردگی بہتر ہو اور اسے زیادہ سے زیادہ علم سیکھایا جائے۔ اس طرح معاشرے میں وہ بچے جو غیر تعلیمی اداروں میں علم سیکھتے ہیں وہ ہنر سیکھنے کے دوران بہت سزاؤں کو برداشت کرتے ہیں۔ بلکہ ہنر سیکھنے کے لیے ان کو کئی نوعیت کی سزاؤں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جبکہ اسلامی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ متشددانہ ماحول میں علم حاصل نہیں ہوتا بلکہ حاصل شدہ علم بھی زوال پزیر ہو کر بھولنے لگتا ہے۔ رسول للہ ﷺ جب صحابہ کو شب قدر کی خبر دینے آرہے تھے تو دو لوگوں کی لڑائی میں آپ ﷺ اسے بھول گئے۔ حدیث میں ہے:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ القَدْرِ فَتَلاَحَى رَجُلاَنِ مِنَ المسْلِمِينَ فَقَالَ: إِنِّي خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ القَدْرِ وَإِنَّهُ تَلاَحَى فُلاَنٌ وَفُلاَنٌ فَرُفِعَتْ،وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ التَمِسُوهَا فِي السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالخَمْسِ)) [1]

(1)۔ بخاری، الصحیح البخاری، باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ وھو لایشعر، ح:49، ص:19

ترجمہ: بلا شبہ رسول اللہ ﷺ لیلۃ القدر کی خبر دینے نکلنے تو دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا! بے شک میں تمھیں لیلۃ القدر کی خبر دینے نکلا تھا کہ فاں اور فلاں جھگڑ رہے تھے تو وہ (خبر) اٹھالی گئی۔ ممکن ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہو اب اسے (رمضان کی) ستائسویں، انتسویں اور پچسویں رات میں تلاش کرو۔

اس حدیث پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص متشدانہ ماحول سے گزرے تو اس کا ذہن منتشر ہو جاتا ہے۔ اور اسے علم و حکمت کی بات بھول جاتی ہے۔ رسول للہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم و حکمت سے ہی لیلۃ القدر کو بھول گئے اس میں اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں۔ لیکن ظاہری الفاظ میں آپ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا کہ دو لوگ جو جھگڑ رہے تھے اس کی وجہ سے بھول گیا ہوں۔ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ متشدانہ ماحول میں اگر انسان رہے اگر چہ یہ خود اس میں شامل نہ بھی ہو تو علم کی پختگی کمزور ہو جاتی ہے۔ تو جو خود بھی اس میں شامل ہو یا فاعل و مفعول کی شکل میں مار پیٹ کا حصہ ہو اس کا ذہن کئی زیادہ متأثر ہوتا ہے۔ لہذا سزا کے ماحول میں طالب علم، علم حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اپنی ذہنی صلاحیت بھی کھو دیتا ہے۔

جسمانی اثر

اگر چہ یہ بات مسلّمات میں سے ہے کہ بعض طالب علموں کی تربیت میں مخصوص تأدیب مفید ثابت ہوتی ہے۔ اگر چہ کئی ادارے سزا کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر ان اداروں میں بھی سزا موجود ہوتی ہے۔ اگر سزا اپنی مقررہ حد سے ذرا بھی تجاوز کر جائے تو یہ فائدے سے کئی گناہ زیادہ نقصان دہ ثابت ہو جاتی ہے۔ غیر محتاط سزا سے طالب علم جسمانی طور پر بھی شدید متأثر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات سزا سے طالب علموں کے چہرے پر نشان بن جاتا ہے جو کہ پوری زندگی کے لیے عیب بن جاتا ہے اور طالب علم کی دل میں استاد کی نفرت مسلسل بڑھاتا رہتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا:

((إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَّقِ الْوَجْهَ))[1]

ترجمہ: ترجمہ: جب تم میں سے کوئی مارے تو چہرے پر نہ مارے۔

اس کے علاوہ سکولوں اور خصوصاً مدارس میں بعض اساتذہ کو دیکھا گیا ہے کہ وہ طالب علموں پر اتنا تشدد کرتے ہیں کہ ان کے جسم کے بعض حصے ضائع ہو جاتے ہیں مثلاً آنکھ وغیرہ اسی طرح کانوں پر مارنے سے سماعت متأثر ہو جاتی ہے۔ ناک کی ساخت متأثر ہوتی ہے۔ طالب علموں کو ہاتھوں اور پاؤں پر مارنے سے براہِ راست اس کے دماغ پر اثر ہوتا ہے۔ بعض اوقات ہاتھوں سے خون نکلتا ہے اور انگلی بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ سب سزا کے ایسے انداز ہے کہ

(1)۔ سجستانی، سنن ابی داؤد، باب ماجاء فی ضرب الوجہ فی الحدّ، ح:4493 ، حکم الحدیث صحیح، 4/ 167

ان کی کسی صورت میں نا اسلام میں اجازت ہے اور نہ کسی دوسرے سماوی یا غیر سماوی دین میں اجازت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو بچوں پر شفقت نہ کرنے والے کو اپنے آپ سے جدا قرار دیا ہے۔[1] بچوں کا جسم بہت نازک اور کمزور ہوتا ہے اسلام تو اس بالغ و مکمل اور شادی شدہ عورت جو کہ اپنی خاوند کی مسلسل نافرمانی کرتے اس کے سزا کے بارے میں بھی کہا ہے کہ ایسی سزا دینی ہے کہ نشان بھی واضح نہ ہو۔ لہذا بچوں کو ایسی سزا دینا کہ جس سے وہ جسمانی طور پر متأثر ہوں اور ان کی قدرتی تخلیق میں بگاڑ آتا ہو بلکل ممنوع ہے۔

قوت ادراک میں کمی

تعلیمی اداروں میں ہونے والی بے شمار سرگرمیوں کا مقصد صرف ایک ہی ہوتا ہے کہ بچے کی ہمہ جہتی نشو نما کی جائے۔ بچوں کو معاشرتی طور پر افعال اور کارآمد بنانے کے لیے ان کا قوت ادراک کا مضبوط ہونا از حد ضروری ہے۔ بلکہ وہ طالب علم کہ جن میں ادراکی قوت زیادہ ہو، عملی زندگی میں زیادہ کامیابی سے عمل کرتے ہیں۔ لیکن سزا کے اثرات میں سے ایک خطرناک اثر یہ ہے کہ اس کے خوف سے بچے میں ادارک کی قوت کم ہو جاتی ہے۔ ادراک کی قوت کو پختہ کرنے کے لیے بچے کا بالکل نارمل اور پر سکون ہونا ضروری ہے جبکہ سزا سے بچے پر سکون نہیں ہوتا بلکہ بیک وقت کے ذہن میں سزا، اسکی تکلیف، سزا کا خوف اور سزا کے وقت کا انتظار سب اس قدر تیزی سے گھوم رہا ہوتا ہے کہ بچے کا ذہن فیصلہ کرنے کا قوت کھو دیتا ہے۔ بطور استاد کئی مرتبہ ہمارے تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ جب استاد بچے کو سزا دے رہا ہو اور دوسرے بچے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہوں تو اس کیفیت میں بچے اس قدر دباؤ کا شکار ہوتے ہیں کہ منہ سے کچھ بولنے پر قادر نہیں ہوتے۔ میں نے خود بطور استاد اس کیفیت میں بچوں سے سوال کیے تو بچے اپنے والدین کے نام تک درست بتانے کی کیفیت میں نہیں تھے۔ اس لیے سزا نام ہی خوف اور دہشت کا ہے جس سے قوت ارادی اور قوت ادراکی کم ہوتی ہے

جسمانی تأدیب سے اگرچہ ابتدائی طور پر بچے کا ظاہری جسم متأثر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے زیادہ اور دیرپا اثرات معاشرے اور بچے کی اجتماعی زندگی ہر ہوتے ہیں۔ تأدیب اگر بے جا اور بے محل ہو تو بچے کی شخصیت اور انفرادی زندگی بھی شدید متأثر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے جب بچے کے جسم پر نشان بنے گا یا کوئی عضو متاثر ہو گا یا جسم کے کسی حصّے کی ساخت تبدیل ہو گی تو اس سے بچے کی شخصیت براہِ راست متأثر ہو گی بچے کی ذہنی پختگی کے ساتھ ساتھ اس کی طبعی ساخت بھی اچھی اور متأثر کن ہونی چاہیے۔ تأدیب سے بچوں کی انفرادی زندگی کے ساتھ اس کی اجتماعی زندگی اور سماج بھی متأثر ہوتا ہے۔ مار پیٹ اور دباؤ کے ماحول میں رہنے سے جذباتی دباؤ پیدا ہوتا ہے۔ جس سے دوسروں پر

(1)۔ لیس منا من لم یرحم صغیرنا (الترمذی، سنن ترمذی، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان، ح:1919، ص:321)

عومِ اعتماد، اور خود اعتمادی بھی کم ہو جاتی ہے۔ بچے دوسروں سے میل جول رکھنا بھی پسند نہیں کرتے اس کے علاوہ بے شمار نفسیاتی مسائل بھی جنم لیتے ہیں۔

مار کھانے والے طلبہ میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ خود اعتمادی اور اپنے موقف کی پختگی ان میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے اگر ان کی بات درست بھی ہو لیکن ان کو روک ٹوک کرنے سے وہ گھبرا جاتے ہیں اور اپنے موقف کو تبدیل کر لیتے ہیں۔ اور اکثر تنہائی میں رہتے ہیں اور دیگر بچوں کے ساتھ کھیل کود اور دیگر سرگرمیوں میں شرکت نہیں کرتے۔ قوتِ فیصلہ اور خود اعتمادی اس قدر کم ہو جاتی ہے کہ بچہ اپنے ہم جماعت بچوں کا مقابلہ نہیں کر پاتا۔ بعض اوقات ایسے بچے جو پڑھائی میں اچھے ہوں اگرچہ وہ جسمانی طور پر کمزور ہوتے ہیں ان پر جسمانی قوت کے باوجود بھاری پڑتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہی ہوتی ہے کہ کمرہ جماعت میں جب ان کو اساتذہ کی طرف سے تشدد کا سامنا کرتا پڑتا ہے اس وقت ان کی شخصیت اس قدر متاثر ہو جاتی ہے کہ ان میں قوتِ مقابلہ اور نفس کی حفاظت کی سکت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ لہذا جسمانی تأدیب سے نا صرف بچہ جسمانی طور پر محروم ہوتا ہے بلکہ اس کی شخصیت بھی بری طرح متأثر ہوتی ہے۔

فصل دوم:

جسمانی تأدیب کے نفسیاتی اثرات

تأدیب کا جذبات پر اثر

انسانی جذبات دو طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ جن کا تعلق دوسروں سے بھی ہے۔ اور ان کے اظہار یا اخفاء سے دوسرے لوگ بھی متأثر ہوتے ہیں دوسرے وہ جذبات ہیں کہ جن کا اچھا یا برا اثر خود انسان کے جسم پر ہوتا ہے یعنی اس کا فائدہ یا نقصان انسان انفرادی طور پر برداشت کرتا ہے۔ سزا سے بچوں کے دونوں طرح کے جذبات پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ بچوں کے وہ جذبات کہ جسے وہ دوسروں پر ظاہر کرتا ہے وہ بھی متأثر ہوتے ہیں اور وہ جذبات کہ جن کا تعلق صرف بچے سے ہے وہ بھی متأثر ہوتے ہیں۔ سزا سے بچوں کے درج ذیل انفرادی جذبات متأثر ہوتے ہیں۔

ذہنی نقصان: سزا سے بچوں کے ذہنی سطح پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ اور بچہ میں یاد کرنے اور یاد رکھنے کی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ سبق کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے لیے ذہنی یکسوئی لازم ہے جبکہ سزا نام ہی انتشار کا ہے جن سے یکسوئی نہیں آتی۔

بے چینی: سزا جذبات میں بے چینی بھی پیدا کر دیتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ بعض طالب علم سکول یا کسی بھی تعلیمی ادارے میں سارا وقت چھٹی کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اور تعلیمی ادارے میں رہتے ہوئے بھی بے چین رہتے ہیں۔ یہاں تک بریک (آدھی چھٹی) کے وقت بھی جب بچے کھیل رہے ہوتے ہیں تو وہ بھی بے چین ہو کر یو تو کہیں بیٹھے ہوتے ہیں یا بے چینی کی عالم میں نا تو کسی سے بات کرتے ہیں اور نہ کسی کھیل کود میں حصہ لیتے ہیں۔

اکیلا پن: بے چینی کا نتیجہ بہت خطرناک ہوتا ہے بعض اوقات تو بے چینی کا شکار بچے غلام اقدام اٹھاتے ہیں اور اپنا یا دوسرے بچے کا شدید نقصان کر دیتے ہیں۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہ کریں پھر بھی بے چینی کا کم سے کم نتیجہ اکیلا پن ہے۔ بچہ دوسرے بچوں سے خود کو حقیر سمجھ کر سب سے الگ ہو کر رہتا ہے۔

عزتِ نفس کی مجروحی: سزا بعض اوقات بچوں میں عزت نفس کی مجروحی کا سبب بن جاتی ہے۔ پھر اس کا نتیجہ دو طرح سامنے آتا ہے۔ یا تو بچہ ڈھیٹ بن جاتا ہے۔ اور آئندہ کے لیے نہ تو کوئی سزا اور نہ ہی کوئی بے عزتی اس پر اثر کرتی ہے۔ یا وہ سزا سے اپنی عزت کو مجروح ہوتا سمجھ کر ردعمل پر اتر آتا ہے۔ جس سے بعض اوقات استاد کو بھی نقصان

اٹھانا پڑتا ہے۔ بچہ استاد کی عزت نہیں کرتا اور اس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک جاتی ہے۔ جس سے بچہ ہمیشہ کے لیے علم اور تعلیم سے محروم ہو جاتا ہے۔

خود کو نقصان پہنچانا: بچوں کے پیش آنے والے دو ایسے اعمال ہیں کہ جن کے نتیجے میں بچے خود کو نقصان پہچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بچے سب سے زیادہ جنسی تشدد سے متاثر ہوتے ہیں اور جنسی نتیجے میں خود کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس کے بعد بچے سزا کے نتیجے میں بھی خود کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جسمانی سزا اور جنسی تشدد دونوں سے بچوں کے ایک ہی طرح کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ جنسی تشدد کی صورت میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہی جسمانی سزا کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ دونوں صورتوں میں بچے خود کو دوسرے بچے یا معاشرے کے افراد سے کم تر اور حقیر سمجھنے لگتا ہے اور اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب اسے کوئی اور راستہ نظر نہیں آئی تو اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور بعض اوقات بچے خودکشی کرنے تک پہنچ جاتے ہیں۔

جذبات کا اظہار: یہ بات کئی مرتبہ مشاہدے کے دوران میں آتی ہے کہ ایسے بچے جو اکثر کلاس میں تشدد کا نشانہ بنتے ہیں یا کسی بھی صورت میں جسمانی سزا پاتے ہیں۔ وہ اپنے جذبات کے اظہار پر قادر نہیں ہوتے۔ ڈرے ہوئے رہتے ہیں اور دیگر بچوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اگرچہ ان میں بھی کوئی نہ کوئی خاصیت بھی ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ سزا بچوں میں ایک خلیج قائم کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہی بچے جذبات اور احساسات کو اپنے اندر ہی دبا لیتے ہیں اور اس کا اظہار نہیں کر پاتے۔ سزا ہی کی وجہ سے وہ اپنی بات سمجھانے میں بھی مشکل کا سامنا کرتے ہیں۔ بچے استاد کے غیر موجودگی میں ان کا مذاق اڑاتے ہیں جس سے سزا یافتہ بچوں پر مزید دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ نتیجاً تعلیمی اور تربیتی انقطاع کا شکار ہو جاتے ہیں۔

بچے کا مجرم بننا: تعلیم و تدریس میں جسمانی سزا دیان ایک انتہائی نازک اور حساس عمل ہے۔ اس میں افراط و تفریط کی وجہ سے معاشرے میں دو طرح کے نظریات نے جنم لیا ہے۔ ایک طرف شدت ہے اور دوسری طرف سزا کے وجود کا انکار ہے۔ اس صورتِ حال کا حل وہی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا کہ سزا کی اجازت بھی دی اور اس کو مشروط و مقید بھی رکھا۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ چھوٹی برائی سے بڑی برائی کی طرف جاتا ہے۔ اگر ابتداء میں ہی اسے روکا نہ جائے تو برائی میں اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ بعض اوقات اس برائی کو چھوڑنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسلام میں بھی بعض سزائیں جو تعلیمی اور تدریسی مراحل میں ہوتی ہیں اسی قبیل سے ہیں۔ تعلیم و تدریس میں سزا یا تو تعزیری ہوتی ہیں اور یا سدّ ذرائع کے طور پر ہوتی ہیں۔ مقصد صرف تعلیمی عمل کو بہتر طریقے سے انجام دینا ہوتا ہے۔ اگر تعلیمی میدان میں سزا کا بالکل تصور ہی نہ ہو تو اس سے بھی بچے کی باغی اور غیر ذمہ دار ہونے کے خطرات برابر موجود

ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح سزا نہ ہونے کی وجہ سے لوگ مجرم بن جاتے ہیں اور بغیر کسی خوف وخطر کے جرم کرتے ہیں بچے تعلیمی میدان میں لاپرواہ اور وقت کو ضائع کرنے والے بن جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر سزا کا غلط استعمال ہو تو بھی یہ ہی نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔ سزا کی کثرت اور بے محل استعمال سے بھی بچوں کے دل سے سزا کا خوف جاتا رہتا ہے اور بعض بچے تو ایسے طبیعت کے ہوتے ہیں۔ کہ سزا کو معمول سمجھ کر اسے اہمیت نہیں دیتے اور ان کی طبیعت اور عادت جرم کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ بچے کو جس قدر سزا زیادہ دی جائے اسی قدر وہ جرم کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ عادی مجرم بن جاتا ہے۔ کیونکہ اب اس کے دل میں سزا کا خوف نہیں رہتا اور سزا برداشت کر لینا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے "ظلم بڑھنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مجرم ڈرتا نہیں سزاؤں سے "[1]

حاصلِ کلام یہ ہے کہ سزا نہ صرف بچوں کے اندرونی خیالات،، افکار، رویّوں اور عادات پر اثر انداز ہوتے ہے بلکہ ان کے ظاہری جسم کو بھی متأثر کرتی ہے۔ اور سزا سے بچے کی انفرادی زندگی بھی ویسے ہی متاثر ہوتے ہے جیسا کہ اس کی اجتماعی زندگی متأثر ہوتی ہے۔ لہذا سزا سے حتی الامکان بچنا چاہیے اور اگر نا مساعد حالات میں سزا کی کسی قدر ضرورت پڑ بھی جائے تو اسے صرف اسی قدر استعمال میں لانا چاہیے جتنا کہ زہر سے علاج کیا جاتا ہے۔ سزا کا بے محل اور کثرتِ استعمال بچوں کی انفرادی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے۔ جس سے آگے چل کر ان کی اجتماعی زندگی بھی متأثر ہوتی ہے بلکہ پورا معاشرہ پھر اس غلطی کی قیمت ادا کرتا ہے۔

متشدانہ ذہنیت

تعلیمی اداروں میں سزا کو عام کرنے یا ہونے سے بچے کے رویے میں تشدد پیدا ہو جاتا ہے۔ عام طور پر وہ بچے جو پڑھائی میں کمزور ہوتے ہیں اور اساتذہ انھیں زیادہ سزائیں دیتے ہیں۔ وہی بچے سکول میں یا سکول سے باہر دیگر بچوں کے ساتھ لڑتے ہیں۔ لڑائی جھگڑے کے حوالے سے انھی بچوں کی شکایات بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس وہ بچے جو اساتذہ کی سزا سے محفوظ ہوتے ہیں وہ ہر تشدد کاروایوں کا حصّہ نہیں بنتے۔ اس کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ عام طور پر سزا پانے والے طالب علم سزا سے بے خوف ہو جاتے ہیں اور ان کے دل میں سزا کی تکلیف اور اس سے ہونے والی بدنامی وغیرہ کا ڈر جاتا رہتا ہے۔ جبکہ دوسرے طالب علم سزا سے ڈرتے ہیں اور سزا کے تصور سے وہ ان کاموں سے باز رہتے ہیں کہ جن سے مار پیٹ کا خطرہ ہو۔

ہٹلر کے اس قدر متشدانہ رویے کہ جس نے لاکھوں لوگوں کی جان لے لی اصل وجہ یہی تھی کہ بچپن میں وہ بھی سخت قسم کے جسمانی تشدد سے گزرا تھا۔ بچپن کی عادات ہمیشہ کیلئے پختہ ہو جاتی ہیں۔ پھر انسان اسے علمی زندگی

(1).https://hamariweb.com/articles/108577#.Y2yGhfs_9ni

میں کرتا ہے اور اسے لازمی سمجھتا ہے۔ دورانِ تعلیم سزا اور اس کے اجتماعی زندگی پر گہرے اثرات کی وجہ سے اسلام نے تعلیم و تدریس میں نرمی کو اولیّت دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ))[1]

ترجمہ::نرمی جس چیز میں بھی آجاتی ہیں تو وہ اسے خوبصورت کر دیتی ہیں۔

اس حدیث میں اگرچہ آپ ﷺ نے زندگی کے سارے معاملات کو بالعموم ذکر کیا ہے لیکن بچے کی تعلیم وتربیت اس میں بدرجہ اوّل داخل ہے کیونکہ بچہ نرمی اور لطافت کا زیادہ حقدار ہے۔ اور اس میں سزا اور سختی برداشت کرنے کی قوت بڑوں کی نسبت بہت کم ہوتی ہے۔ اگر بڑوں کے معاملات میں نرمی کارگر ہے تو بچوں میں اولیّت کے ساتھ کارگر ہوتی ہے۔ سیدنا انسؓ فرماتے ہیں:

((خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- عَشْرَ سنين، فلم يقل لشيء فعلته: مالك فَعَلْتَ كَذَا وَكَذَا، أَوْ لِشَيْءٍ لَمْ أَفْعَلْهُ: لِمَ لَمْ تَفْعَلْ كَذَا وَكَذَا))[2]

ترجمہ: میں نے معلّمِ انسانیت کی دس سال خدمت کی لیکن آپ ﷺ نے میرے کسی کام پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا یا کیوں نہ کیا۔

اس حدیث میں آپ ﷺ کا طریقہ تربیت واضح ہے کہ دس سال کے لمبے عرصے میں آپ ﷺ نے اپنے زیرِ تربیت بچے کو سزا تو کجا، سخت بات بھی نہیں کہی۔ جس سے سیدنا انسؓ کی زندگی پر یہ اثر ہوا کہ ساری زندگی کیلئے آپ ﷺ کے خدمتگار بن گئے اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر اس قدر پختگی سے کاربند ہوئے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ساری زندگی اس پر کاربند رہے۔

اگر معلّم کے رویّہ میں تشدد ہوگا تو اس کا طالب علم پر براہِ راست اثر ہوگا اور غیر محسوس انداز میں طالب میں سرایت کر جاتا ہے۔ طالب علم بھی تشدد پسند ہو جاتا ہے اور اسے ماحول کو پسند بھی کرتا ہے۔ اسی طرح طلباء کی اکثریت اسے معلّم سے محبت بھی نہیں کرتی بظاہر اس سے ڈرتے ہونگے لیکن دل سے محبت واحترام والا رویّہ نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس اگر معلّم کے رویہ میں نرمی اور لطافت ہوگی تو طالب علم عزت واحترام بھی دل سے کریں گے اور ہمیشہ کیلئے کریں گے رسول اللہ ﷺ کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾[3]

ترجمہ: اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے گرد سے چلے جاتے۔

---

(1)۔ قشیری، الصحیح المسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الرفق، ح:6602 ص:1133

(2)۔ الذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء (القاھرہ، دار الحدیث، الطبعۃ الاولیٰ 2006) 11 / 263

(3)۔ آل عمران:159

طالب علم اپنے معلّم کا عکس ہوتا ہے عام طور پر طالب علم اپنے اساتذہ کو اسوہ سمجھتے ہیں اور ان کے اعمال و اقوال پر گہری توجہ رکھتے ہوئے اس کی نقالی کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی رسول اللہ ﷺ کو اپنے طالب علموں اور اپنے زیرِ تربیت لوگوں کے لیے نرم خوئی کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اس کے دو نقصان ہونگے اوّل یہ کہ اگر آپ سخت مزاج ہونگے تو آپ کے ارد گرد کے لوگ آپ کو چھوڑ جائیں گے اور دوسرا جو آپ کے پاس رہیں گے تو ان میں بھی سختی اور تشدد آئے گا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کو نرم خوئی کی تلقین کی گئی ہے۔

تأدیب کا رویّوں پر اثر

تعلیم و تدریس کے دوران جسمانی تأدیب سے بچوں کے رویّوں پر بھی بے شمار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ سزاؤں کے ماحول میں تربیت پانے والے طالب علموں کے رویوں میں عموماً درج ذیل اثرات ہوتے ہیں۔

1. مستقل سزاؤں کے ماحول میں تربیت پانے والے طالب علم سزا کو ایک معمول سمجھ لیتے ہیں اور ان کے ہاں سزا دینے میں ان کو کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی۔ جس سے طالب علم ہر مسئلے کا حل تشدد اور مار پیٹ کے ذریعے تلاش کرتے ہیں۔ جس سے معاشرے میں تخریب کارانہ رویے عام ہوتے ہیں۔ یہ ایک فطری عمل ہے کہ جس طالب علم نے سزا کے ماحول میں تعلیم پائی ہے وہ استاد بن کر بھی سزا کے آلے کو استعمال کرتا ہے۔
2. طالب علم کے رویہ میں استاد کی عزت ختم ہو جاتی ہے۔ عام طور پر یوں ہوتا ہے کہ طالب علم استاد کے ساتھ دست و گریباں ہو جاتا ہے۔ تعلیمی ادارے سے باہر استاد کو اذیت پہنچاتے ہیں۔ یا اگر وہ وقتی طور پر ڈر بھی جائے تو دل سے استاد یا مربی کی عزت نہیں کرتا۔ اور اسی سزا کی وجہ سے تعلیم اور استاد دونوں سے بھاگنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔
3. سزا یافتہ طالب علم جب اپنے آپ کو کلاس میں توجہ سے محروم محسوس کرتا ہے تو اس کے رویہ میں محرومی کی وجہ سے سختی آتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دیگر طالب علموں سے حسد، نفرت اور کینہ جیسے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات ایسے طالب علم اچھے طالب علموں کو نقصان بھی پہنچاتے ہیں یا پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کی اصل وجہ سزا کی وجہ سے توجہ سے محرومی ہوتا ہے۔
4. بعض اوقات سزا پا لینے کے بعد بچے دوبارہ سے جرم کرنے پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید انھوں نے جو غلطی کی ہے اس کا مکمل تدارک سزا کے ذریعے ہو گیا ہے۔ ایسے بچے سزا کو غلطی کے مداوے کے طور پر لیتے ہیں اور مزید ماحول کو خراب کر دیتے ہیں جس سے کلاس یا سارے تعلیمی ادارے کا ماحول خراب ہوتا ہے۔ بچے کو غلطی کا احساس نہیں رہتا جبکہ بچے کو غلطی سے مکمل طور پر محفوظ رکھنے کے لیے اسے احساس دلانا ضروری ہے اور یہ ہی احساس اسے آئندہ غلطی کرنے سے روکتا ہے جو کہ سزا دینے کی صورت میں ختم ہو جاتا ہے۔

5. تعلیمی یا تربیتی اداروں میں سزا کا شکار ہونے والے طلبہ میں عموماً غصہ بڑھ جاتا ہے۔ طبیعت میں چڑچڑاپن آجاتا ہے جس سے ان کا رویہ ان کے والدین، بہن بھائیوں اور دیگر رفقاء اور دوستوں سے جارحانہ ہو جاتا ہے۔ ایسے بچے اپنے سے کمزور بچوں، یا اپنے بہن بھائیوں پر غصہ اتارتے یا انھیں مارتے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنا احساس محرومی کا غصہ ان پر نکالتے ہیں۔ جس سے نہ صرف تعلیمی یا تربیتی ماحول بلکہ گھر کا ماحول بھی خراب ہو جاتا ہے۔
6. تعلیمی ادارے یا تربیتی ادارے میں اگر والدین یا مربیین بچوں کو اذیّت ناک سزائیں دیتے ہیں تو اس سے بچوں میں سزا دینے والوں کے بارے یہ احساس پیدا ہو گا کہ آپ ان سے محبت نہیں کرتے۔ جس سے بچے بھی نفرت کرنے لگ جاتے ہیں اور معاشرے میں ایک طرف تو تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف دیرپا خاندانی اثرات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ لہذا سزا ایسی ہر گز نہیں ہونی چاہیے کہ جو بچے کے دل میں سزا دینے والے کے خلاف کوئی نفرت پیدا کرے۔ کیونکہ یہ مسلّمات میں سے ہے کہ جو شخص بچے کو اذیّت اور تکلیف دیتا ہے بچے کبھی بھی اس کے نقالی نہیں کرتے بلکہ اس سے نفرت کرتے ہیں۔

بچوں میں متشدانہ رویّوں کا علاج

جس طرح بچوں میں جارحیت اور متشدانہ رویّے پیدا کرنے کے عوامل متعدد اور متنوع ہیں۔ اسی طرح ان کے تدارک کے عوامل بھی مختلف اقسام کے ہیں۔ چھوٹے بچوں میں جارحانہ رویّہ دور جدید کا ایک بڑا چیلنج ہے اس لیے اس کی روک تھام کے لیے ذمہ بھی متفرق لوگوں اور اداروں پر عائد ہوتی ہے۔ تاکہ اس چیلنج پر مکمل طور پر قابو پایا جاسکے۔ تعلیمی، تربیتی اداروں اور گھروں میں جسمانی سزا پر بالکل سخت پابندی لگا دینے سے یہ مسئلہ مکمل طور پر حل نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس کے عوامل متعدد ہیں۔ صرف سزا سے جارحانہ رویّے اور متشدانہ ذہنیت پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس سطور بالا میں متذکرہ تمام عوامل کار فرما ہوتے ہیں۔ لہذا اس مسئلے کے حل کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں۔

1. **انفرادی اقدامات:** انفرادی نوعیت کے اقدامات میں ضروری ہے کہ بچوں کو انفرادی طور پر ہر قسم کے تشدد، بے توجہی اور منشیات سے دور رکھا جائے۔ بچوں کی انفرادی زندگی پر خصوصی توجہ دی جائے تاکہ یہ مرحلہ انتشار افراتفری کا شکار نہ ہو کیونکہ یہ زندگی کا اہم مرحلہ ہے اور اسی سے آگے چل کر اجتماعی زندگی پر اثرات ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ووکیشنل ٹریننگ اور کائونسلنگ وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ بچوں کی حفاظت و تحفظ کی تنظیم ہونی چاہیے جس میں باقاعدگی سے پروگرام منعقد ہوں۔ تاکہ بچوں کی انفرادی زندگی محفوظ ہو اور اس مرحلہ کی نشو نما متاثر نہ ہو۔

❷ **اہل خانہ پر ذمہ داری:** بچوں کے رویّوں اور سیرت و کردار پر سب سے گہرا اثر والدین کا ہوتا ہے۔ بچے کی ابتدائی زندگی میں والدہ کی طرف سے کی ہوئی تربیت کا اس کی ساری زندگی پر اثر ہوتا ہے۔ لہذا بچوں کے رویّوں کو کنٹرول کرنے اور اعلیٰ معاشرتی اقدار کے مطابق پرورش کرنے میں والدین پر گہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ بچوں پر اثر انداز ہونے والے عوارض پر گہری نظر رکھیں اور بچوں کو ہر ایسے عارضہ سے محفوظ رکھیں جس سے ان کی زندگی متأثر ہوتی ہو۔ والدین کے آپس کے تعلقات میں بھی بچوں پر گہرا اثر رکھتے ہیں اس لیے والدین کو سب سے پہلے اپنے گھر کا ماحول ایسا بنانا چاہیے کہ جس سے بچوں میں برداشت، صبر تحمل، معاملہ فہمی اور نظم و ضبط کی پابندی پیدا ہو۔ بعض اوقات بچے کے رویے میں جارحیت گھریلو ماحول کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس کا علاج دیگر اداروں میں تلاش کیا جاتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ بچوں کے رویوں کو رکھنے کیلئے والدین اپنی ذمہ داری سے باخبر رہیں اور اسے مکمل طور پر پورا کریں۔

❸ **تعلیمی اداروں میں خصوصی اہتمام:** بچے کی پرورش اور نشو نما میں والدین کے بعد معاشرے کا اہم ادارہ، تعلیمی ادارہ ہوتا ہے۔ کسی معاشرے کے بنانے، اقدار کی حفاظت اور افراد معاشرہ کی تربیت میں تعلیمی ادارہ سب سے مؤثر ہوتا ہے۔ لہذا تعلیمی اداروں میں بچوں کی ہر طرح کی حفاظت کو یقینی بنانا ضروری ہے۔ تعلیمی اور تربیتی اداروں میں سیکیورٹی کا نظام فعال اور چست ہونا چاہیے کہ موجودہ دور میں سیکیورٹی تعلیمی اداروں کی اہم ضرورت بن گئی ہے۔ اسی طرح بچوں کو نشہ آور اشیاء اور اس کے نقصانات سے آگاہ کرنا چاہیے اس کے لیے باقاعدہ پروگرام منعقد کرنے چاہیے۔ تعلیمی اداروں میں منشیات کا استعمال قابلِ تشویش حد تک بڑھ گیا ہے۔ جس کا تدارک تعلیمی اداروں میں ہنگامی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔ ہم نصابی سرگرمیوں پر بھی انتظامیہ کو گہری نظر رکھنی چاہیے تاکہ تمام ہم نصابی سرگرمیاں نظامِ تعلیم اور مقاصد تعلیم سے مکمل ہم آہنگ ہوں۔ تاکہ بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ جسمانی نشو نما بھی درست سمت میں ہو۔ تعلیمی ادارہ معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے لہذا اس ادارہ کو اپنی ذمہ داریوں اور اس کی حساسیت کا علم ہونا از حد ضروری ہے۔

❹ **خاندانی سطح پر اقدامات:** اگرچہ تعلیمی ادارہ بچے کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ لیکن ہمارے نظامِ تعلیم کے مطابق بچہ تعلیمی ادارے میں بہت کم وقت گزارتا ہے۔ اگر سالانہ تجزیہ کیا جائے تو بمشکل طالب علم تعلیمی ادارے میں ایک سے ڈیڑھ گھنٹہ یومیہ گزارتا ہے۔ اس کے برعکس اس کا زیادہ تر وقت اپنے اہل خانہ اور اپنے خاندان میں گزارتا ہے۔ اس لیے خاندان کا عمومی مزاج بچے کو متأثر کرتا ہے۔ اور بچہ اسی رجحان کا حامل ہو جاتا ہے جس کا اس کا خاندان ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ذمہ داری بھی خاندان پر بھی عائد ہوتی ہے کہ بچوں کی نشو نما کا لحاظ کرتے ہوئے ہر قسم کے متشددانہ رویوں اور جارحیت پسند عناصر سے دور رہیں تاکہ بچوں کے مزاج

میں یہ چیز شامل نہ ہو۔ میانہ روی پسند خاندانوں کی اولاد بھی اعلیٰ اقدار کی حامل ہوتی ہے جبکہ جارح مزاج خاندان میں اکثر بچے خاندانی مزاج کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

5. **حکومتی سطح پر اقدامات:** پچھلی ایک صدی سے سائنس نے جس تیزی اور تنوع سے ترقی کی ہے اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح تعلیمی میدان میں بھی نئی تحقیقات نے انقلاب برپا کر دیا ہے۔ جدید طریقوں سے پڑھانے کے لیے نِت نئے آلات ایجاد ہو گئے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں ملٹی میڈیا اور انٹرنیٹ سب سے اہم اور مؤثر ذرائع تعلیم کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے حکومتی سطح پر ایسے اقدامات کرنے چاہیے کہ جن سے اساتذہ جدید طریقوں سے واقف ہوں اور جدید آلاتِ تعلیم کے استعمال کو جان سکے۔ بچوں میں فرسودہ نظامِ تعلیم کی وجہ سے اضطراب اور احساسِ کمتری پیدا ہوتی ہے۔ جب بچے انٹرنیٹ پر ترقی یافتہ ممالک کے طلباء، اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کو دیکھتے ہیں اور پھر اس کے مقابلے میں اپنے ملک کے نظامِ تعلیم اور سہولیات دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں اپنے ملک اور نظامِ تعلیم کے بارے میں منفی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ جس سے اکثر طلباء اس تعلیم سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ لہذا اس اضطراب اور بے چینی کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حکومتی سطح پر اقدامات ہوں۔ جس سے تعلیمی خلیج کو کم سے کم کیا جا سکے۔ جس کے لیے اساتذہ کی بہتر تربیت کا نظام، سکولوں کو جدید آلات کی فراہمی، ایمرجنسی کی صورتحال سے نبرد آزما ہونے کی سہولیات، فعال اور تیز ذرائع اتصالات، محکمہ کی مکمل ذمہ داری و باخبری اور طلباء کی نفسیات و معیارات کے مطابق نصابِ تعلیم کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔ اس سے طلبہ میں اطمئنان اور سکون پیدا ہو گا۔ اگر حکومتی سطح پر تعلیمی اداروں کی اچھی نگرانی ہو گی اس کا بھی طلباء کے رویوں اور احساس پر مثبت اثرات ہونگے اور ان کے رویوں میں خود انتقام لینے کا جذبہ ختم ہو گا۔ اگر کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہو جاتی ہے تو اسے اپنے نظام پر یقین ہو گا اور اپنا معاملہ اس کے سپرد کرے گا وگرنہ ہر شخص اپنی انتقامی سوچ کو عملی جامہ پہنائے گا۔

فصل ثالث:

جسمانی تأدیب کے سماج پر اثرات

اسلام نے معاشرے میں بچوں کے دائرہ کار کے بارے واضح تعلیمات دی ہیں۔ اور ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینے پر زور دیا ہے کیونکہ ہر بدلتے دن کے ساتھ والدین کی حالات پر گرفت کمزور ہوتی جاتی ہے اور بچوں کی مضبوط ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بچے خود والدین یا دیگر کار سازوں کے قائم مقام ہو جاتے ہیں۔ بچوں کی معاشرتی زندگی کا دائرہ کار حسبِ ذیل ہے۔

بچوں کی سماجی زندگی کا دائرہ

تعلیمات اسلام کی رو سے ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کی فطرت میں سلامتی اور حنفیّت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ ہوتی ہے۔ لیکن بچے کی شخصیت اس کے بیرونی اور اندرونی عوامل سے مل کر ترتیب پاتی ہے۔ بچے کے اخلاق و کردار اور سیرت پر والدین، دوست احباب، سکول و مدرسہ اور معاشرے کے گہرے اثرات ہوتے ہیں۔ اگر معاشرہ صحت مند اقدار کا حامل ہو گا تو بچے کی تعلیم و تربیت کا عمل آسان ہو گا۔ اس کے برعکس اگر معاشرہ شر پسند اور منفی عوامل پر مبنی ہے۔ تو بچے کا کردار بھی شر پسندانہ اور تخریب کارانہ ہو گا۔ اسی لیے اگر بچوں یا نسل نوں کا اعلیٰ تربیت کوئی چاہے تو کافی مشکلات و کٹھن حالات سے گزرنا ہو گا۔ معاشرہ ہی بچوں کے لیے تربیت گاہ بھی ہے اور معیار اور کسوٹی بھی۔ معاشرے سے جدا کر کے بچوں کی نہ تو تعلیم ہو سکتی ہے اور نہ ہی تربیت ہو سکتی ہے کیونکہ فرد قائم ملت سے ہے تنہا تو اس کی حیثیت نہیں ہے۔ والدین اور افراد معاشرہ کی بچے کی شخصیت اور نظریات پر اثر کے بارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ))[1]

ترجمہ: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین (عوارض) اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

اس حدیث میں والدین کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ بچے پر اثر انداز ہونے والے پہلے اور قریب ترین عوارض ہیں۔ وگرنہ "فأبواہ" سے مراد ہر وہ عارضہ ہے کہ جو بچے کو اس کی فطرت سلیمہ سے دور کرے وہ خواہ والدین ہوں، دوست و احباب ہوں، مدرسہ و سکول ہو، یا اس کا معاشرہ ہو۔ حدیث میں "فأبواہ" کا لفظ مقیّد استعمال نہیں کیا

(1) البخاری، الصحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبیّ، 1/217

گیا کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز بچے پر مؤثر ہی نہیں ہے بلکہ یہ لفظ یا یہ رشتہ بطور بسبب استعمال کیا گیا ہے کہ والدین اکثر بچے کی گمراہی یا ہدایت کا باعث ہوتے ہیں۔ ابواہ کہ وضاحت کے بارے بیان بن محمد اپنی کتاب موسوعۃ احکام الطھارۃ میں فرماتے ہیں:

"فذكر الأبوين انما هو مثال للعوارض هي كثيرة"[1]

ترجمہ: پس والدین کا ذکر کیا اگرچہ یہ ان عوارض کی ایک مثال ہے جو کہ کافی زیادہ ہیں۔

اسی طرح البحر المحیط الثجاج میں ہے:

"فمن تغير كان بسبب ابويه"[2]

ترجمہ: پس جس نے بھی (بچے کی فطرت میں) تبدیلی پیدا کی وہ والدین ہی حکم میں ہے۔

لفظ "فأبواہ" کی ان شروحات سے واضح ہوتا ہے کہ بچے کا معاشرتی دائرہ صرف والدین تک محدود نہیں ہے بلکہ بچے کے سماجی دائرے میں ہر وہ شخص شامل ہے کہ جس سے بچے کا بلاواسطہ یا بالواسطہ تعلق ہو۔ اور وہ اس کی شخصیت و کردار پر اثر انداز ہو۔ بچے پر سماجی لحاظ سے اثر انداز ہونے والے عوارض عموماً حسبِ ذیل ہوتے ہیں۔

والدین

بچے کو جب اللہ تعالیٰ اس دنیا میں لاتے ہیں تو سب سے پہلے اس کا واسطہ اپنے والدین سے ہوتا ہے۔ اور یہیں سے اس کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوتا ہے۔ والدین کی اسی ابتدائی اور احساس ذمہ داری کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے والدین کو یہ سختی سے حکم دیا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو ایسے کاموں سے باز رکھیں کہ جن کے کرنے سے ان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو اور وہ سزا کے مستحق بن جائیں۔ فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾[3]

ترجمہ: اے لوگوں جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین پر اپنے چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کا حکماً ذکر کیا ہے۔ لہذا روز اول سے والدین کے لیے ایسے اسباب، اقوال و اعمال، اختیار کرنا ضروری ہیں کہ جس میں بچے کی فطرت سلیمہ برقرار رہے اور وہ کسی بھی منفی اقدار یا تخریب کاری کا حصہ بن کر اللہ تعالیٰ کا نافرمان بندہ نہ بن جائے۔ اسی نکتہ کی طرف امام غزالیؒ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

---

(1)۔ البیان، بیان بن محمد البیان، موسوعۃ احکام الطھارۃ (بیروت، مکتبۃ الرشد، الطبعۃ الثانیۃ، 2005) 3/47

(2)۔ آدم، محمد بن علی بن آدم، البحر المحیط الثجاج صحیح الامام مسلم بن حجاج (السعودیۃ، دار ابن جوزی، الطبعۃ الاولیٰ، 1426) 41/506

(3)۔ التحریم:6

"بچہ والدین کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اس کا دل ایک عمدہ، صاف اور سادہ آئینہ کے مانند ہے"[1]

بچے کی کردار سازی اور معاشرتی رویہ پر سب سے زیادہ اور سب سے پہلے اثر انداز ہونے والی ذات "ماں" کی ذات ہوتی ہے۔ تاریخی شواہد موجود ہیں کہ ہر کامیاب اور اعلیٰ شخصیت کے پیچھے ایک ماں کا کردار مضمر ہے۔ بعض تو ایسے بھی ائمہ دین، محدثین، مفسرین، سائنس دان اور سلاطین ہیں کہ جن کے والد بچپن میں ہی فوت ہوئے اور اپنی ماؤں کی آغوش میں تربیت پاتی۔ ماں کے ساتھ ساتھ والد بھی بچے کی کردار سازی میں خشتِ اول ہے۔ بلکہ اسلام تو والد کو بچے کی پیدائش سے پہلے یہاں تک حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا اس حد تک خیال کرنا ہے کہ بچے کی ماں کا انتخاب بھی اس انداز سے کرنا ہے کہ وہ کل آپ کی اولاد کی اچھی تربیت کر سکے اور آپ کی اولاد کو معاشرے کے لیے ایک کار آمد فرد بنا سکے۔ اس لیے انتخاب زوج میں اسلام نے چند صفات کو دیکھنے کا حکم دیا ہے۔ ماں اور باپ دونوں کے مجموعے کو رسول اللہ ﷺ نے مخاطب کر کے حکم دیا ہے:

((أَكْرِمُوا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوا أَدَبَهُمْ))[2]

ترجمہ: اپنے بچوں کی عزت کیا کرو اور انھیں اعلیٰ آداب سکھایا کرو۔

اس حدیث کے پہلے حصے میں رسول اللہ ﷺ نے جو والدین کو اپنی اولاد کی عزت کا حکم دیا ہے۔ اس کے پیچھے بے شمار ایسی حکمتیں پنہاں ہیں کہ بادی النظر میں انسان کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ جو حکیم اور دانا ہیں آپ ﷺ نے روز اول سے اس کا حکم دیا ہے۔ اس کی عملی مثالیں ہمیں تاریخ میں ان گنت نظر آتی ہیں۔ جن والدین نے اپنی اولاد کی کمی، کمزوری کے باوجود بھی عزت افزائی کا رویہ اختیار کیا ان کی اولاد نے تخلیقی کمی اور معذوری کے باوجود بھی معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ مثال کے طور پر بلب کے موجد عظیم سائنس دان ایڈیسن بہرے تھے۔ عظیم عربی دان "ابو تمام" کی شکل و صورت قابل رحم تھی۔ مصر کے مشہور عالم، مصنف، اور حکومتی وزیر طٰہٰ حسین نابینا تھے اسی طرح سعودی کے سابق مفتی اعظم "شیخ ابن باز" بھی نابینا تھے۔ یہ چند مثالیں ہیں کے والدین نے تخلیقی کمی کے باوجود جب اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی تو وہ معاشرے کے لیے کار آمد بلکہ کئی لوگوں سے بڑھ کر ثابت ہوئے۔ بچوں کی عزت نفس کے بارے رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک فرمایا:

((مَنْ قَالَ لِصَبِيٍّ: تَعَالَ هَاكَ ثُمَّ لَمْ يُعْطِهِ فَهِيَ كَذْبَةٌ))[3]

ترجمہ: جس نے کسی بچے سے کہا! میرے پاس آو تمھیں (کوئی چیز) دوں اور پھر نہ دے تو یہ بھی جھوٹ شمار ہو گا۔

---

(1)۔ الغزالی، ابو حامد محمد، احیاء علوم الدین (کراچی، دار الاشاعت) 3/122

(2)۔ سنن ابن ماجہ، (دار احیاء الکتب العربیۃ) کتاب الادب، باب بر الوالد و احسان البنات، ح:3671، 2/1211

(3)۔ ابو عبد اللہ، مسند امام احمد بن حنبل، ح:9836، 15/520

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بچے کی عزت نفس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بچہ اس سے بد ظن ہو گا۔ اور والدین سے متنفر ہونے کا بڑا خدشہ ہے۔ چنانچہ والدین بچے کی معاشرتی زندگی کے استواری میں زینہ اول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس مرحلہ والدین کی طرف سے کی گئی تربیت اور غفلت دونوں کے بڑے دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ احمد حسین الکندی نے کہا:

"طبع الحدید فکان من اجناسه   و عليٌّ المطبوع من أبائه"(1)

ترجمہ: علی((سیف الدولہ) اپنے والدین کا ایسا ہی ہم جنس ہے جیسا کہ لوہے کو خواہ کچھ بھی بنالیا جائے پھر بھی اپنے اصل میں وہ لوہا ہی رہتا ہے۔

سکول و مدرسہ

سکول یا مدرسہ سے مراد کسی بھی معاشرت کا تعلیمی ادارہ ہے۔ تعلیمی ادارہ اپنی ذات میں خود ایک چھوٹی سی سوسائٹی ہوتی ہے۔ اور اس سے زیادہ بہتر کوئی دوسرا ادارہ بچے کی تربیتِ اجتماعی نہیں کر سکتا۔ تعلیمی ادارہ ہی ایسا کامیاب اور اہم ادارہ ہے کہ جو گھر اور معاشرے کو ایک بنا دیتی ہے خواہ طبقات اور ماحول میں کتنا ہی فرق موجود ہو۔ تعلیمی ادارے سے بچے کی زندگی کا ایک اہم پہلو منسلک ہوتا ہے۔ اور وہ تربیت کا پہلو ہے۔ انسانی زندگی میں تربیت دو طرح ہوتی ہے۔

تربیت حیاتی: تربیت حیاتی سے مراد بچے کی وہ تربیت اور تجربات ہیں کہ جو بچے دوسروں کے ساتھ تعامل، اشتراک اور تعاون وغیرہ سے سیکھتے ہیں۔ جیسا کھیل کود میں حصہ لینے سے جو کچھ سیکھا جاتا ہے۔ یا والدین کے ساتھ وابستگی اور تعامل کے دوران جو غیر شعوری طور پر بچے سیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح چھوٹے بچے کسی دکان وغیرہ پر کام کرتے کرتے وہی کام سیکھ جاتے ہیں۔ اس تربیت میں دو ایسے پہلو ہیں جو تربیت مکتبی سے اسے جدا کر دیتی ہے۔ ایک پہلو یہ ہے کہ اس تربیت کے لیے کسی ادارے کی ضرورت نہیں ہوتی یہ بغیر سکول یا مدرسہ کے ہی حاصل ہو جاتی ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ بامقصد تربیت نہیں ہوتی۔ یعنی اس تربیت میں معاشرے کی طلب، اقدار، رسوم ورواج، سماج اور تہذیب و ثقافت کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا جاتا۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ لوگوں کے تعامل واشتراک سے بچہ بہت کچھ سیکھ لے لیکن اس میں مقصدیت اور پائیداری کا وہ معیار نہیں ہوتا کہ جو اسے تعلیمی ادارے سے مستغنی کر دے۔

تربیت مکتبی: تربیتِ مکتبی سے مراد وہ تربیت ہے کہ جو تعلیمی ادارے کو بچے کی نشوونما میں معاون بناتی ہے۔ جب کوئی شخص کسی جماعت سے یا کسی ادارے سے وابستہ ہوتا ہے تو اس کے اثرات بھی متعدّی ہوتے ہیں۔ اگر جماعت صحیح بنیادوں پر قائم ہو گی تو اس سے استفادہ بھی صحیح ہو گا وگرنہ معاملہ اس کے برعکس ہو گا۔ لہٰذا انسان کے لیے ضروری

(1)۔ الکندی، احمد حسین الجعفی الکندی، دیوان المتنبی (غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، مکتبہ رحمانیۃ) ص:5

ہے کہ بغیر پرکھے کسی کے ساتھ معاشرت قائم نہ کرے کیونکہ جو شخص کسی سے متعلق ہو، کسی نہ کسی درجے میں اس کی پیروی کرتا ہے۔ لہذا جماعت کی چناؤ یا حصہ بنے سے پہلے اپنے عقل کو مستحکم کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ سب باتیں ایک بچے کے لیے نہیں کہی جاسکتیں اور نہ یہ ممکن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعلیمی ادارے سے بچے پر ہونے والے اثرات متعدّی نوعیت کے ہوتے ہیں جبکہ بچہ برے یا اچھے ادارے کا از خود انتخاب بھی نہیں کر سکتا جس سے معاملہ اور بھی سنگین ہو جاتا ہے اور تعلیمی ادارے کی اہمیت اور ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ بچے کے عمل کا سارا دارومدار نقّالی پر ہے۔ اپنے ادارے میں جو سنے گا وہی بولے گا، جو دیکھے گا وہی کرے گا اور جو اسے کہا جائے گا وہی مانے گا۔ اس کو مستقبل کا ادراک نہیں ہوتا اور نہ ہی نفع اور نقصان سے واقف ہوتا ہے۔

اس صورت میں تربیت حیاتی ہی بچے کی گزرانِ زندگی کے لیے کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ تربیتی مکتبی بھی ہو۔ یہی تعلیمی ادارے کی تربیت بچے کے قوتِ ادراک، حواس اور قویٰ کی صحیح اور مکمل تربیت کرتی ہے۔ اسی تربیت پر اخلاق و تہذیب، علم و روح، میلان و عادات اور عقل و بدن کی تکمیل منحصر ہے۔ جس کے لیے بچہ ہمیشہ محتاج رہتا ہے۔ بچے کو اس چیز کی ضرورت رہتی ہے کہ کوئی اس کے سامنے ہو جسے وہ عمل کرتے ہوئے دیکھے اور ویسا کرے، جسے وہ مانے اور اپنے اقوال و افعال میں پہلو پہ پہلو اس کی پیروی کرے۔ جس سے بچہ رفتہ رفتہ بدی میں تمیز کرنے لگ جاتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی جدید تربیت کے مقاصد کا زبدہ اور ثمرہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کسی بھی معاشرے میں تعلیمی ادارے ہی وہ حساس مقام ہے کہ جس میں معاشرے کے لیے لوگ تیار ہوتے ہیں جیسا تعلیمی ادارہ ہو گا معاشرے کے لوگ بھی ویسے ہی ہونگے۔ کیونکہ بچے نے اس چھوٹے سے معاشرے میں جو سیکھا ہو گا اپنی عملی زندگی کے بڑے معاشرے میں اس پر عمل کرے گا خواہ وہ خیر اور نیکی کے اقوال و اعمال ہوں یا اس کے برعکس ہوں۔

دوست و احباب

دوست و احباب کا انسان کی زندگی پر اس قدر گہرا اثر ہوتا ہے کہ اسلام نے دوستی کو دین میں مطابق قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلْ))[1]

ترجمہ: آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر شخص دیکھے کہ کسے دوست بنا رہا ہے۔

بچوں کی معاشرتی زندگی کے دائرے میں ایک اہم عارضہ جو اس کے اخلاق و کردار و شخصیت کو بہت متأثر کرتا ہے وہ اس کی صحبت ہے۔ فارسی کا مقولہ ہے "صحبت طائع ترا طالع کند" کہ برے کی صحبت آپ کو بھی برا بنا کر

(1)۔ ابو عبداللہ، مسند امام احمد بن حنبل، مسند ابی ہریرۃ، ح:8417، 14/142

رہی گی۔ کیونکہ دوستی صرف ایک فرد کا انتخاب نہیں بلکہ ایک مطاع اور اپنے مستقبل کا انتخاب ہے۔ انسان انھی لوگوں کی طرف مائل ہوتا ہے جس سے اس کی ذہنی ہم آہنگی ہوتی ہے۔ اگر انسان کا دوست بری عادات کا حامل ہے تو قوی امکان ہے کہ کسی روز وہ خود بھی اسی عادات میں گرفتار ہو جائے گا۔ اس کی برعکس اگر دوست نیک ہے تو انسان اس کی نیکی سے بھی مستفید ہوتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا مَثَلُ جَلِيسِ الصَّالِحِ وَجَلِيسِ السُّوءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ))[1]

ترجمہ: اچھے اور برے دوست کی مثال خوشبو بیچنے والے اور بھٹی پھونکنے والے (لوہار) کی طرح ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اچھے اور برے دوست کی مثال دے کر اس فلسفہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان دوست کے شر اور اس کی خیر سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ ابتدائی طور پر ان برائیوں میں براہِ راست ملوث نہ بھی ہو لیکن اس کے دل پر اثر ضرور ہو گا۔ جب وہ گناہ یا برے کاموں کو مسلسل دیکھے گا تو اس کے دل میں اس برائی کی قباحت کم یا ختم ہو جائے گی۔ پھر اس کے بعد اگلا درجہ ہے کہ خود اسی برائی میں واقع ہو جائے گا۔

یہ عموماً ایک بالغ اور عقلمند شخص کے بارے میں وارد ہے۔ جس کا ذہن کسی قدر پختہ اور مضبوط ہے اگر ان کو بری صحبت اس قدر متأثر کر سکتی ہے تو ایک بچہ کہ جس کی ذہنی نشو نما ابھی ابتدائی مراحل میں ہے اور ذہنی حالت و کیفیت یہ ہے کہ جس چیز کو معاشرے میں کثرت اور قدر کی حالت میں دیکھے گا اس کو اپنالے گا تو اسے بری صحبت یا برے دوستوں سے بچانا کس قدر اہم اور ضروری ہے! عصرِ حاضر میں تو بچوں کی دوستیاں والدین کے لیے آزمائش بن کر سامنے آئی ہیں۔ بچے اپنے والدین کی اس قدر فرمانبرداری نہیں کرتے جتنا اپنے دوست کا کہا مانتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں نشہ آور اشیاء کے استعمال میں کثرت آنے کی سب سے بڑی وجہ بری صحبت ہی ہے۔ اسی صحبت کی وجہ سے ایک شخص اپنی پوری کمپنی کو اس برائی پر لگا دیتا ہے اور تعلیمی اداروں میں اس کی مثالیں عام اور بے شمار ہیں۔ اسی طرح کے برے بچوں سے دوستی کرنے اور پھر ان کے اعمال و اقوال کو اپنانے والوں کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب وہ اپنے دوستوں کی بات مان کر برائیاں کریں گے۔ اپنے معاشرے اور اللہ تعالیٰ دونوں کے مجرم بنیں گے تو پھر کہیں گے:

﴿يَاوَيْلَتَا لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا﴾[2]

ترجمہ: اے کاش کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔

---

(1)۔ البیہقی، احمد بن حسین بن علی، السنن الکبریٰ (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثالثۃ) ح:11126، 6/43

(2)۔ الفرقان:28

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب دوست کس قدر احتیاط کی حامل ہے۔ انسان معاشرے میں اکیلا رہ بھی نہیں سکتا کیونکہ یہ اس کی فطرت نہیں ہے لیکن برے لوگوں سے بچنا اس سے بھی ضروری ہے کیونکہ وہ اس کی دنیا اور آخرت دونوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ شاعر عدی بن زید کہتے ہیں:

"عن المرء لا تسئل و ابصر خليله وكل قرين بالمقارن يقتدى
ان كان ذا شرا فجانبه سرعة و ان كان خيرا فقارنه تهتدى" (1)

ترجمہ: آدمی کے بارے میں مت پوچھو بلکہ اس کے دوست کو دیکھو کیونکہ ہر دوست اپنے دوست کی پیروی کرتا ہے۔ اگر وہ (دوست) برا ہے تو جلدی سے دور ہو جاو۔ اور اگر اچھا ہے تو اس کے ساتھ رہو تم بھی ہدایت پالو گے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بچے کی معاشرتی زندگی میں ایک اہم حصہ اس کے دوست کا ہوتا ہے۔ لہذا والدین اور مربیین کا اولین فرض ہے کہ بچے کو برے دوستوں سے بچائیں۔ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بچے پر دوسوں کا اثر اتنا گہرا ہو جاتا ہے کہ دوسری ساری تربیتیں بے کا ثابت ہوتی ہیں۔

میڈیا (ڈیجیٹل سرکل)

ہر دور کے کے فتنے اور چیلنجز علیٰ حدہ علیٰ حدہ ہوتے ہے یہ ممکن ہے کہ ایک چیز ایک دور میں کسی توجہ کے قابل نہ ہو لیکن دوسرے دور میں وہ چیز اہمیت حاصل کر لے۔ اسی طرح بعض ایسے ذرائع کہ جو بچوں کی تربیت پر اثر انداز ہوتے ہیں خاص اوقات و مکان میں کم اثر رکھتے ہوں لیکن خاص حالات میں وہ اپنے اثر میں شدت پیدا کر لیں۔ اس کی مشہور مثال میڈیا ہے ابتداء میں میڈیا اور اس کے اثرات نا تو اتنے گہرے تھے اور نہ ہی اس کی طرف اتنی سنجیدگی سے طرف توجہ دی گئی۔ لیکن میڈیا نے جدید آلات و تفریح کا سامان جب سے متعارف کروایا ہے اور آئے روز اس میں نئے نئے اضافے کر رہا ہے اس سے میڈیا معاشرے کا ایک اہم بلکہ لازمی جزء بن گیا۔ بلکہ میڈیا بذاتِ خود عملی معاشرے کے مقابلے میں اپنا وجود متعارف کروا چکا ہے۔ اور معاشرے کی عکاسی کے نام پر خود معاشرے میں جو چاہے تبدیلی برپا کر دیتا ہے۔

میڈیا اور خصوصی طور پر سوشل میڈیا نے بچوں کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ والدین اور مربی کے لیے حد سے زیادہ مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ اس سے پہلے وہ اقدار کہ جو بچے از خود اپنے خاندان سے سیکھ جایا کرتے تھے۔ اخلاق صبر، ہمدردی، اخوت اور ایثار کے جذبے بچوں میں خاندانی میل جول کی وجہ سے لاشعوری طور پر آجاتے اور بچے اس کو اپنی عملی زندگی میں استعمال کرتے۔ اب میڈیا نے چونکہ بچوں میں تنہائی کا رجحان اس قدر عام کر دیا ہے کہ والدین

(1)۔ ابو منصور، عبد الملک بن محمد بن اسماعیل، التمثیل والمحاضرۃ (الدار العربیۃ للکتاب، الطبعۃ الثانیۃ، 1981) ص: 394

اور مربی کو یہ اقدار زبردستی سیکھانے پڑتے ہیں جس کے باوجود بھی بچے اسے سیکھنے کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ ہی سنجیدہ ہوتے ہیں۔ بچپن میں جو چیز انسان کے ذہن میں نقش ہو جائے ساری زندگی اس کا اثر اس کی عملی زندگی میں رہتا ہے۔ سوشل میڈیا بچوں میں ضد، مطلب پرستی، خود پسندی، چڑچڑاپن اور احساس کمتری پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے اس کی ساری زندگی متأثر رہتی ہے۔ معاشرے میں عدمِ برداشت کی فضا کی بڑی وجہ بچپن اور لڑکپن میں میڈیا سے والہانہ وابستگی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی اخلاقی پستی کی موجودہ دور میں سب سے بڑی وجہ انٹرنیٹ کا استعمال ہے۔ جس سے ان کی تنہائی صاف نہیں رہتی جس کی وجہ سے ان میں قوت ارادی، قوتِ فیصلہ اور خود اعتمادی بھی جاتی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی بھی ان کا مقصد بن جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لوگوں کے بارے میں جو بظاہر تو نیکیاں کرتے ہوں لیکن ان کی خلوتیں آلودہ ہوں ان کے بارے میں فرمایا:

((لَأَعْلَمَنَّ أَقْوَامًا مِنْ أُمَّتِي يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحَسَنَاتٍ أَمْثَالِ جِبَالِ تِهَامَةَ بِيضًا، فَيَجْعَلُهَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ هَبَاءً مَنْثُورًا)) [1]

ترجمہ: میں اپنی امت کے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو قیامت کے دن تھامہ پہاڑ کے برابر نیکیاں لے کر آئیں گے مگر اللہ تعالیٰ ان کی نیکیاں ضائع کر دیں گے۔

جب آپ ﷺ سے سیدنا ثوبانؓ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا خَلَوْا بِمَحَارِمِ اللَّهِ انْتَهَكُوهَا)) [2]

ترجمہ: جب وہ اکیلے ہوتے ہیں تو اللہ کی حرمتوں کو پامال کرتے ہیں۔

اس حدیث کا براہِ راست تعلق ہماری میڈیا اور خصوصاً سوشل میڈیا سے ہے کہ اسی سے آج کل بچے اور نوجوان تو درکنار بزرگوں کی خلوتیں بھی پاک نہیں ہیں۔ اور ایک بڑی تعداد اس کا شکار ہو رہی ہے۔ میڈیا نے دور جدید میں بچوں پر درج ذیل اثرات مرتب کئے ہیں۔

1۔ اخلاقیات کے حوالے سے میڈیا نے بچوں پر بیت منفی اثرات کئے ہیں۔ بچے اپنے معاشرتی اقدار کے حوالے سے بنیادی اخلاق سے بھی واقف نہیں ہوتے اگر چہ میڈیا اور سوشل میڈیا کے فوائد بھی ہیں لیکن بچوں پر اس کے فوائد سے زیادہ نقصان دہ اثرات ہوتے ہیں۔

2۔ سوشل میڈیا نے بچوں میں ضد اور چڑچڑاپن اس قدر پیدا کر دیا ہے کہ معمولی معمولی بات پر والدین کے گریبان بھی پکڑ لیتے ہیں۔

---

(1) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، باب ذکر الذنوب، ح:4245، 2/1418

(2)۔ ایضاً

3۔ سوشل میڈیا بچوں کو جس طرح کے مناظر دیکھاتی ہے اس سے بچوں کے ذہن میں ویسا ہی خیال بن جاتا ہے۔ پھر اس کے حصول کے لیے جب وہ عملی زندگی میں کوشش کرتے ہیں تو بہت سے ناجائز راستے اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ میڈیا پر دیکھائے جانے والے معاشرتی اور اخلاقی مناظر ہیں۔

4۔ میڈیا سے بچوں میں خود غرض کا عنصر بھی بڑی حد تک پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ بڑے ہو کر صرف اپنے مطلب کا ہی سوچتے ہیں۔ انھیں اپنے معاشرے، والدین، ملک و ملت اور مذہب کی تعلیمات کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اپنے مطلب کی ہی بات بھلی معلوم ہوتی ہے۔

5۔ جدید میڈیا نے بچوں اور نوجوانوں میں خود پسندی کا ایک ایسا نشہ پیدا کر دیا ہے کہ انتہائی کم عمر کے بچے بھی اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ہمیں کوئی جاننے والا ہوں اور لوگ ہمیں فالو کریں۔ حالانکہ ہمارا دین اور ہمارے معاشرتی اقدار اس امر کی اس قدر اجازت نہیں دیتے۔ سوشل میڈیا پر مشہور ہونے کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش نے سب کو پاگل کیا ہوا ہے۔ جسکی وجہ سے نوجوان اور بچے اخلاق باختہ حرکات نظر آتے ہیں کہ جس سے خود اس کے والدین سر جھکا لیتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بچے کی ابتدائی زندگی بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اس میں بچے کے قلب و ذہن پر جو نقش ہو جائے ساری عمر اسی کے زیر اثر رہتا ہے۔ اس لئے بچے کی تعلیم و تربیت کیلئے جس طرح ہم اپنے گھر کا ماحول بناتے ہیں اسی طرح وہ سارا ماحول بھی اچھا ہو جس کا بچے سے واسطہ ہو مثلاً سکول، دوست و احباب، خلوت، خاندان اور وہ تمام معاشرہ کہ جس کو بچے نے اپنے احساسیات میں جذب کر کے اور پھر اپنی عملی زندگی میں اس پر عمل کرنا ہے۔ لہذا ایک اچھا اور عمدہ معاشرہ ہی بچے کی اچھی تعلیم و تربیت کا ضامن ہے

جسمانی تأدیب کے سماجی اثرات

انسان کی زندگی کی اصل اس کی اجتماعی زندگی ہے۔ اجتماعی زندگی میں انسان کا لوگوں سے کیسا کردار ہے اسی بنیاد پر اس کے اخلاق و کردار اور سیرت جانچ پرکھ ہوتی ہے۔ کوئی شخص اپنی انفرادی زندگی میں خواہ کس قدر ہی اچھا کیوں نہ ہو اگر اس کے تعلق دار اس کے تعلقات سے تکلیف میں ہیں تو وہ ایک اچھا انسان نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے واضح طور پر انسان کی اچھائی یا برائی کا معیار تعلقات عامہ کو قرار دیا ہے۔ جو اپنی اجتماعی زندگی میں اچھا ہے گویا اسلام کی نظر میں بھی اچھا ہے اور اگر اجتماعی زندگی میں کمزوریاں اور برائیاں ہیں تو اسلام کی نظر میں وہ شخص اچھا نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُ النَّاسِ مَنْ نَفَعَ النَّاسَ))[1]

(1)۔ البیھقی، احمد بن حسین بن علی، شعب الایمان، (ریاض، مکتبۃ الرشد، الطبعۃ الاولیٰ) باب التعاون علی البر والتقویٰ، ح:7252، 10/115

ترجمہ:لوگوں میں سب سے اچھاوہ ہے جولوگوں کو نفع پہنچائے۔

لوگوں کو نفع پہنچانا یہ اجتماعی زندگی کا معاملہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی عادات واطوار کو اس نہج پر لائیں کہ جس سے عامۃ الناس کو فائدہ ہو اور وہ ہم سے مستفید ہوں۔ اسی طرح اپنی اولاد اور اپنے طالب علموں کی تعلیم وتربیت بھی اسی طرح کریں کہ وہ اپنی اجتماعی زندگی میں مثالی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((المسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ))[1]

ترجمہ: حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور پاؤں سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو۔

اس حدیث سے بھی اجتماعی زندگی کی اہم ذمہ داریوں کی طرف اشارہ ہے۔ لہذا اساتذہ اور مربیین کی اول ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ اپنی اولاد اور طالب علموں کی تعلیم کے دوران ایسی مہارتوں کو استعمال کریں کہ جس سے ان کی اجتماعی زندگی خوشگوار ہو۔ کیونکہ تمام تر تعلیم اور ساری تربیت کا مقصد ایسے لوگ تیار کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اچھے بندے اور لوگوں کے لیے مفید تعلق دار ہوں۔ اجتماعی زندگی انسان کی پہچان کی زندگی ہے۔ اسی کے اچھے یا برے ہونے سے انسان کی معاشرتی حیثیت متعین ہوتی ہے۔ لوگوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت ہی لوگوں میں آدمی کے وقار و احترام کا مقام بناتی ہے۔ لہذا کوئی بھی تعلیم و تدریس اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک وہ اپنے معاشرے کے لیے اچھے افراد تیار نہ کرے اور اچھے افراد اس وقت تک تیار نہیں ہوسکتے جب تک تعلیم و تدریس میں ان لوازمات کو شامل نہ کرلیں کہ جن سے اجتماعی زندگی بہتر ہوتی ہو اور ان عوارض کو ختم نہ کر دیا جائے جن سے اجتماعی زندگی متأثر ہوتی ہو۔

اجتماعی زندگی اور تأدیب

سزا سے سب سے زیادہ بچے کی اجتماعی زندگی متأثر ہوتی ہے۔ بچپن میں بچے کی انفرادی زندگی کا دائرہ کار انتہائی محدود ہوتا ہے۔ اس کی انفرادی زندگی کی ساری دنیا چند ایک فرسودہ خیالات کے سواہ کچھ نہیں ہوتی۔ کیونکہ بچپن میں بھی اسے جتنے بھی عوارض کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کے اثرات اس کی اجتماعی زندگی کی صورت میں ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ بچہ جب زیرِ تربیت یا زیرِ تعلیم ہوتا ہے اس وقت اس کی مثال اس چیز کی سی ہوتی ہے کہ جو تیاری کے مراحل میں ہو اس کی اچھائی یا برائی، معیاری غیر معیاری کا ادراک تو اس وقت ہوتا ہے کہ جب اسے استعمال کے لیے عملی زندگی میں لایا جائے۔ تیاری کے وقت خواہ کتنے ہی احتیاط نہ کر لیے جائیں جب تک کوئی چیز عملی میدان سے نہیں گزرتی اس کی پائیداری کی یقین دہانی نہیں کروائی جاسکتی۔ اسی طرح بچے کا بچپن ہے۔ اس کی تعلیم وتربیت اچھی ہوتی ہے یا کمی کوتاہی کا شکار رہی ہے یہ فیصلہ بچے کی عملی زندگی ہی کرتی ہے۔

---

(1)۔ البخاری، صحیح البخاری، باب من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، ح:10، 1/11

تعلیم و تدریس میں اگر سزا کا بے جا استعمال ہو تو اس سے بچے کی اجتماعی زندگی پر بہت زیادہ منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بچہ معاشرے کے لیے مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہو جاتا ہے۔ اور وہ تعلیمی ادارے یا تربیتی مراکز ملک و قوم یا اپنے معاشرے کی خدمت کرنے کے بجائے نقصان کر گزرتے ہیں۔ بچے کی اجتماعی زندگی پر سزا کے عموماً درج ذیل اثرات ہوتے ہیں۔

جسمانی تأدیب کا تعلیمی ماحول پر اثر

تعلیمی عمل کو جاری رکھنے اور اسے کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس عمل کے لیے تعلیمی ماحول کو بھی برقرار رکھا جائے۔ سزا سے تعلیمی ماحول بھی متاثر ہوتا ہے۔ ایک طالب علم کو سزا دینے سے ساری کلاس کا ماحول بعض اوقات اتنا متاثر ہوتا ہے کہ سارا سبق ضائع ہو جاتا ہے اور ایک طالب علم کی وجہ سے پوری کلاس کا نقصان ہو جاتا ہے۔ طلباء کو جسمانی سزا دینے سے تعلیمی ماحول پر درج ذیل اثرات ہوتے ہیں۔

1. سزا سے طالب علم اور معلّم میں جو احساسات کا رشتہ ہوتا ہے وہ عموماً متاثر ہو جاتا ہے۔ طالب علم ابتداء میں استاد کے بارے مثبت ذہنیت کا حامل ہوتا ہے لیکن سزا اس کے ذہنیت کو بدل دیتی ہے۔
2. جو طالب علم سزا سے دوچار ہوتا ہے اس کے لیے سبق سمجھنے اور یاد کرنے میں انقطاع آجاتا ہے۔ استاد جب کسی طالب علم کو سزا دینے کے بعد جو کچھ پڑھاتا ہے وہ اس طالب علم کے لیے باعث توجہ نہیں رہتا اور نہ ہی وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار رہتا ہے۔
3. استاد پر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی اور انعام ہوتا ہے کہ جب وہ پڑھا رہا ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں نئے نئے نکات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آرہے ہوتے ہیں۔ جب استاد سزا دینے لگتا ہے تو اس میں انقطاع آجاتا ہے اور وہ الہامی سلسلہ رک جاتا ہے۔ جس سے نہ صرف وہ طالب علم بلکہ تمام سامعین و طلباء ان قیمتی نکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جو کہ ایک بڑی تعلیمی نقصان ہے۔
4. مارتے وقت یہ خطرہ موجود رہتا ہے کہ ضرب طالب علم کے کسی نازک جگہ پر لگ جائے جس سے اسے تکلیف زیادہ ہو یا تو اس کا جسمانی نقصان ہو جائے یا وہ بدلہ لینے کی سوچے یا استاد سے بدتمیزی کرنے لگ جائے تو اس سے بھی تعلیمی انقطاع آجاتا ہے۔[1]
5. ہمارے ملک میں چونکہ تعلیمی اداروں میں بچوں کو سزا دینا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے بعض اوقات سزا دینے کے بعد استاد کو تھانہ یا عدالتوں کے چکر بھی لگانے پڑ سکتے ہیں۔ اور ایسا عملی طور پر ہمارے ملک میں ہو بھی

(1)۔ زینو، محمد بن جمیل، اسلام میں بچوں کی تعلیم و تربیت کیسے (رحمان مارکیٹ اردو بازار لاہور موٹروے پریس، حدیبیہ پبلیکیشنز) ص:190

رہا ہے۔ جس سے استاد کی ساکھ بری طرح مجروح ہوتی ہے اور اس کا معاشرتی وقار کم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بچے کے والدین بھی استاد سے بد تمیزی کا معاملہ کر سکتے ہیں جس سے استاد تمام بچوں میں بھی کم قدر ہو جاتا ہے۔

جسمانی تأدیب سے معاشرتی عیوب جنم لیتے ہیں

تعلیمی مقاصد کے لیے بچے کو سزا دینا اس میں معاشرتی عیوب پیدا کر دیتا ہے۔ بچہ اخلاقی معیارات سے گر جاتا ہے۔ جھوٹ اور بد باطنی اس کی طبیعت بن جاتی ہے۔ تعلیم میں سزا کے نقصانات کے بارے میں علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں:

"قہر و تشدد بچوں کو مکر و فریب جھوٹ اور دغابازی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس طرح جب ان پر ایک زمانہ جھوٹ بولتے گزر جاتا ہے تو یہ عیوب ان کی طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں اور سنجیدگی کی عمر میں بھی نہیں جاتے"[1]

علامہ ابن خلدونؒ ایک عظیم فلسفی، مفکر، تعلیمِ دان اور یکتائے روزگار عمرانی ماہر تھے۔ انسانی رویّوں، عادات اور جس چیز سے رویے اور عادات جنم لیتے ہیں ان سے خوب واقف تھے۔ وہ بھی سزا اگر اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو اس کے نقصانات بتلاتے ہیں۔ علامہ ابن خلدونؒ تعلیم میں بچوں کو سزا دینے کے سخت مخالف تھے لیکن وہ بھی اسی سزا کے مخالف تھے جو اپنی شروط و قیود سے آزاد ہو جائے وگرنہ تعلیم کے لیے بعض طلباء جو نرمی سے نہیں سمجھتے ان کو بھی تین ضربیں لگانے کے قائل ہیں۔ لکھتے ہیں:

"اگر آداب سیکھانے کے لیے بچوں کو سزا دینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہو تو تین قمچیوں سے زیادہ نہ ماری جائیں"[2]

اس عبارت سے کم از کم یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانی طبائع میں سے کچھ فطرتاً یا نسلاً ایسی ہوتی ہیں کہ جن پر اگر کوئی سختی نہ ہو تو وہ سیدھی راہ کی طرف مائل نہیں ہوتی اس لیے ان کو سنوارنے کے لیے مرض کے مطابق دوا دینا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ بروقت علاج ہو سکے۔ لیکن سزا کی زیادتی نقصان دہ ہے۔ جس سے بچوں کی اجتماعی زندگی میں ایسے اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ بچہ معاشرتی اقدار سے گزر جاتا ہے۔ بلکہ علامہ ابن خلدونؒ سزاؤں کے سماجی نقصانات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے بچہ بعض اوقات انسانی معیار سے بھی گر جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

---

(1)۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، ص:380

(2)۔ ایضاً

"ایسے بچوں سے اجتماعی حیثیت سے انسانیت کی خوبیاں سلب ہو جاتی ہیں یعنی حمیت، غیرت، خودداری، اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے مدافعت"[1]

ایسے اساتذہ جو اپنے طلباء کو مسلسل سزا دیتے رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے بچے کی اصلاح ہو جائے گی۔ اور سزا کو تعلیم یا اسبابِ تعلیم میں سے سمجھتے ہیں۔ دراصل وہ اپنی نااہلی سزا کے ذریعے چھپاتے ہیں۔ ایسے اساتذہ کے لیے خلیفہ ہارون الرشید کی وہ نصیحت جو انھوں نے اپنے بیٹے مأمون کے اتالیق احمر کو لکھی تھی، مشعلِ راہ ہے۔ ہارون الرشید نے احمر کو لکھا تھا۔

"اے احمر! امیر المؤمنین نے اپنے دل کا ٹکڑا تمھارے حوالے کیا ہے تم شہزادے کو اپنا فرمانبردار بناؤ۔ اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھاؤ، تاریخی حقائق سمجھاؤ اور حدیث کی تعلیم دو۔ گفتگو کے موقع بتاو اور بات کرنے کی ڈھنگ سکھاؤ سینے پر پابندی لگاو اور اگر کبھی کبھی سپنے آئے تو خیر۔ کوئی ایسا لمحہ نہ آئے کہ تم اسے کوئی مفید بات نہ بتاؤ لیکن اسی طرح بتاو کہ دل برداشتہ نہ ہو۔ خبردار ان سے چشم پوشی نہ کرنا و گرنہ اس کے مزاج میں آوارگی اور آزادی آجائے گی اور پھر اس کی عادت بن جائیں گی۔ حتی الامکان نرمی اور محبت سے اپنے پاس زیادہ دیر بٹاو اور ادب سیکھاو۔ اگر اس طرح یہ مہذب اور شائستہ نہ بنے تو پھر سختی کرو"[2]

تعلیم و تدریس کو متأثر کرنے والے دیگر عوامل

بچوں میں جارحیت اور متشدانہ رویے پیدا کرنے والے عوارض میں سے ایک عارضہ جسمانی سزا میں بے اعتدالی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی ایسے عوارض کافی ہیں کہ جن سے نہ صرف تعلیم و تدریس متأثر ہوتی ہے بلکہ بچوں میں وہی اثرات پیدا ہوتے ہیں کہ جو سزا سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا سزا کے اثرات کے ساتھ ان کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے۔ بچوں میں جارحانہ رویے اور عادات پیدا کرنے والے اور تعلیم و تدریس کے ماحول کو متأثر کرنے والے عوامل حسب ذیل ہے۔

❶ **جنریشن گیپ:** جس طرح جنریشن گیپ نے دوسرے شعبہ ہائے زندگی کو متأثر کیا ہے اسی طرح اس نے تعلیمی میدان پر بھی اپنے گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ اوّل تو ہمارے تعلیمی نظام کا ڈھانچہ پرانا اور فرسودہ ہے۔ دوسرا ہمارے موجودہ اساتذہ جب تعلیم حاصل کر رہے تھے اس وقت ہمارے ملک میں ٹیکنالوجی کی آمد کے بالکل ابتدائی مراحل تھے۔ اس لئے آن لائن پڑھنا اور پڑھانا، اور تعلیمی میدان میں انٹرنیٹ کے استعمال سے اکثر اساتذہ واقف نہیں ہیں۔ بلکہ عمر رسیدہ اکثر اساتذہ انڈرائیڈر موبائل بھی استعمال نہیں کرسکتے۔ جس کی وجہ سے

---

(1)۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، ص:380

(2)۔ ایضاً

وہ تعلیم میں استعمال ہونے والی جدید ٹیکنالوجی سے محروم رہتے ہیں۔ اس کے بر عکس موجوہ نسل انٹرنیٹ، موبائل اور کمپیوٹر کے استعمال میں اساتذہ سے آگے نکل چکے ہیں جس کی وجہ سے طلباء اپنے اساتذہ کو فرسودہ دور کے تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں۔ اور ان کے تجربات اور جہان بینی کو اہمیت نہیں دیتے جس سے تعلیمی ماحول شدید متأثر ہوتا ہے۔ شاگرد اساتذہ کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ وہ دقیانوسی افکار وخیالات کے حامل ہیں جبکہ استاد ان کو باور کروانے کی کوشش کرتا ہے کہ جس تجربے سے گزر کر ہم استاد بنے ہیں تم اس کی قیمت سے واقف نہیں ہو۔ اس طرح دونوں میں تضاد کی فضا پیدا ہو گئی ہے۔

❷ **طبقاتی گیپ:** جنریشن گیپ کے مسئلے سے تو تقریباً اکثر ممالک کے اساتذہ اور طلباء دوچار ہیں لیکن ہمارے ملک میں اس کے ساتھ ساتھ طبقاتی گیپ بھی ہے۔ جس نے تعلیمی نظام اور اساتذہ کو شدید متأثر کیا ہے۔ آتے روز اساتذہ اپنے حقوق کے لیے احتجاج کرتے نظر آتے ہیں۔ کئی نااہل بڑے بڑے عہدوں پر براجمان ہو جاتے ہیں اور کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ اسناد لیے قطار میں کھڑے رہتے ہیں۔ قابلیت اور تعلیم کی بنیاد پر فیصلے نہیں ہوتے جس سے طلبہ میں مایوسی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اس کا اگر منفی اثر پیدا ہو تو اس سے سارا معاشرہ متأثر ہوتا ہے۔ اسلام نے بھی معیار کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کو ہلاکت قرار دیا ہے اور ہلاکت فردِ واحد کی نہیں بلکہ پورے معاشرے اور سماج کی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ))[1]

ترجمہ: تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کمزور کرتا تو اس پر حد لگاتے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے طبقاتی گروہ بندی کو پورے معاشرے اور سماج کیلئے سامانِ ہلاکت قرار دیا ہے۔ جس ملک یا معاشرے میں طبقاتی گروہ بندی ہو گی وہ اپنے رہنے والے افراد کو مطمئن نہیں کر سکتی جس کے نتیجے میں تشدد پسندانہ رویے اور جارحیت جنم لے گی۔ ہمارے ملک میں اس کی مثالیں عام ہیں۔ ہمارے پڑھے لکھے نوجوان اسی وجہ سے بڑی تیزی سے جرائم پیشہ عناصر کا حصّہ بن رہے ہیں۔

❸ **روّیوں پر کنٹرول نہ ہونا:** جب بھی استاد، والدین یا مربی کا اپنے طالب علم یا بچے کے روّیوں پر مکمل کنٹرول نہیں ہو گا تو اس سے بچے کی تعلیم اور اجتماعی زندگی متأثر ہو گی۔ بعض بچے نسلاً غصہ کرنے والے یا تیز طبیعت کے

(1)۔ بخاری، صحیح البخاری، باب حدیث الغار، ح:3475، 4/175

ہوتے ہیں جن کی طبیعت اور رویّے کو بھانپ کر ان کی بر وقت اصلاح ضروری ہوتی۔ اگر استاد کو ایسے طالب علموں کے رویّوں پر کنٹرول نہیں ہے تو اس سے بھی بچے میں جارحیت بڑھتی ہے۔

4. **تعلیمی گراٹ:** تعلیمی یا تربیتی ادارے کے اندر بچے میں جارحیت اور تشدّد پیدا کرنے کی ایک وجہ اس کی تعلیمی گراوٹ یا کم نمبر وغیرہ آنا ہے۔ جب طالب علم اپنی کم فہمی یا کسی بھی عارضے کی وجہ سے اپنے ہم جماعت طلباء سے پیچھے رہ جاتا ہے تو اس سے طالب علم کے اندر فرار کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ تعلیم سے خلاصی حاصل کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ اگر ایسے تعلیم سے دوری کا کوئی موقع نہ ملے تو جارحیت شروع کر دیتا ہے۔

5. **کام کا دباؤ:** عام طور پر ہمارے تعلیمی اداروں میں چھوٹے بچوں کو گھر کا کام بہت زیادہ دیا جاتا ہے۔ اگر وہ بچے ٹیوشن جائیں تو وہاں سے بھی کام ملتا ہے۔ جس کی وجہ سے بچہ دباؤ میں آجاتا ہے اور نتیجاً نہ سکول کا کام کر پاتا ہے اور نہ ٹیوشن کا کام کر سکتا ہے۔ اسی طرح کام کے دباؤ سے اس کے دل میں زیادہ کام دینے والے اساتذہ کے خلاف جارحانہ رویّہ پیدا ہوتا ہے۔

6. **توجہ کا فقدان:** بچوں میں جارحانہ رویّہ اور انتقامی جذبات پیدا کرنے کی ایک وجہ بچے پر توجہ کا فقدان بھی ہے۔ بچوں کی فطرت ہے کہ وہ اپنی تعریف و توصیف پسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اساتذہ اور والدین کی توجہ کا مرکز ہوں جب ان کو توجہ نہیں ملتی تو ان میں مایوسی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ بھی جارح مزاج ہونے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

7. **منشیات کا استعمال:** جدید دور میں نشہ آور اشیاء کا استعمال کافی حد تک عام ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ تعلیمی اداروں میں ان اشیاء کی موجودگی بھی عام ہے۔ نشہ آور اشیاء کے استعمال سے غصہ بے قابو ہو جاتا ہے اور بعض اوقات منشیات کے استعمال سے انسان اپنے اقوال و افعال سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اسے اچھے اور برے کی تمیز نہیں رہتی۔ ہمارے ملک میں بھی طلباء کی ایک بڑی تعداد منشیات میں ملوّث ہے۔ اس کے استعمال سے جسم میں رابطے کا نظام خراب ہو جاتا ہے اور دماغ کے خلیے کمزور ہو جاتے ہیں۔ جس سے طلباء میں عدمِ برداشت، غصہ اور مار دھاڑ کا رویّہ پیدا ہوتا ہے۔ جس سے تعلیمی ماحول عدمِ توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔

8. **معاشی حالت:** دور جدید میں معاشی قوّت سب قوّتوں پر فوقیت حاصل کر گئی ہے۔ اسی کے برعکس معاشی کمزوری بھی دیگر کمزوریوں سے بڑی کمزوری بن گئی ہے۔ معاشی حالت کا بچوں اور ان کے رویّوں اور ان کی تعلیمی حالت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ عموماً مشاہدے میں آتا ہے کہ معاشی طور پر خوشحال والدین کے بچے تعلیمی میدان میں اچھے کارکردگی دیکھاتے ہیں اور اس کے برعکس بہت کم مثالیں ہیں۔ معاشی حالت کی کمزوری بھی بچے کو تعلیم سے دور کر دیتی ہے۔ اور احساس کمتری اور احساس محرومی پیدا ہوتی ہے۔ جس سے اگر بچے کے دل میں دولت کو حاصل

کرنے کی تمنا آجائے تو طالب علم جارح مزاج بن جاتا ہے۔ تعلیم سے دور اورایسے اسباب کے قریب تر ہو جاتا ہے کہ جس سے اس کے احساس کی تسکین ہو۔ نتیجہ اس کے مزاج اور رویّہ میں جارحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تعلیم و تدریس میں صرف جسمانی تأدیب سے ہی طالب علموں میں جارحیت پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کے دیگر اسباب بھی ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ صرف سزا سے ہی تعلیم متاثر ہوتی ہو بلکہ مذکورہ بالا امور سے بھی وہی نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔ جو سزا سے بر آمد ہوتے ہیں لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جس طرح تعلیمی و تربیتی اداروں سے جسمانی سزا کا بے محل اور بے استعمال کو روکا جانا چاہیے اسی طرح ان تمام عوارض و عناصر کا تدارک بھی ضروری ہے جو تعلیم و تدریس کو سزا سے زیادہ متأثر کرتے ہیں۔ سزا کے غلط استعمال کے ساتھ اگر دیگر عوارض کو بھی ختم کیا جائے یا اس پر قابو پانے کی حتی الامکان کوشش کی جائے تو اسی صورت میں تعلیمی نظام و تعلیمی ماحول بر قرار بھی رہ سکتا ہے اور ثمر آور بھی ہو گا۔

خلاصہ بحث

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصرِ حاضر میں تعلیم و تدریس میں جسمانی تأدیب سے سے متعلق تین قسم کی آراء معروف و موجود ہیں۔ اکثریت ان لوگوں کی ہے کہ جو تعلیم و تدریس میں جسمانی تأدیب کو بالکل شجر ممنوعہ تصور کرتا ہے اور اس نظریے کا علم بردار ہے کہ تعلیمی میدان میں جسمانی تأدیب کے فقط نقصانات ہی ہے۔ اس سے کوئی مثبت اثر نہیں ہوتا اس لیے ہر قسم اور ہر علاقے کے بچوں کو صرف جدید طریقوں اور استقراء سے معلوم کیے گئے تعلیمی مہارات کے ذریعے ہی علم سکھا جائے گا جو ہر طرح کی تأدیب اور سزا سے پاک ہو۔ اگر معلّم بچوں کی کسی بھی درجہ میں تأدیب کرے تو اسے سزا دی جائے گی۔ حالانکہ بچے جس طرح کھانے، پینے، چلنے پھرنے اور اپنی حفاظت میں والدین یا سرپرست کے محتاج ہوتے ہیں اسی طرح وہ تعلیم و تربیت میں بھی والدین اور اساتذہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اگر ان کو اس میدان میں مکمل آزادی دے دی جائے تو اکثریت اپنے لیے فائدے کا فیصلہ نہیں کر پائیں گے۔ لہذا خاص بچوں کی تعلیم و تربیت اور روحانی و اخلاقی اصلاح کے لیے مناسب اور محدود تأدیب ضروری ہو جاتی ہے۔

دوسری رائے ان لوگوں کی ہے کہ جو بچوں کی تأدیب و سزا کو اپنا حق سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ سکولوں دوسرے تربیتی اداروں میں جارحانہ رویّہ اپناتے ہوئے بچوں کو سخت سزائیں دیتے ہیں۔ معمولی سی غلطی پر بچوں اور زیرِ تربیت لوگوں کو مار پیٹ کا شکار بناتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بعض اوقات بچوں کو شدید بقصان پہنچتا ہے۔ یا تو ان کی ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہے یا جسم کا دوسرا عضو متأثر ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات طلباء کی اموت تک واقع ہو جاتی ہیں۔ ان لوگوں کی اکثریت مذہب کو آڑ بناتے ہیں جبکہ یہ مذہب کی گہری تعلیمات سے واقف نہیں ہوتے۔ انھی کی وجہ سے پھر حکومتوں کو تأدیب کے حوالے سے سخت اور ناپائیدار قوانین مرتب کرنا پڑتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ان اساتذہ کو اس قانون کے تحت سزا لینا پڑ جاتی ہے یا جیل میں قید کی مشقت کو برداست کرنا پڑتا ہے۔ ان اساتذہ کا یہ رویّہ اس لیے ہوتا ہے کہ یا تو یہ دینی تعلیمات سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے یا جدید ذرائع تعلیم اور مہارات سے عدمِ واقفیت ہوتی ہے یا اپنی اہلیت کی کمی ہوتی ہے یا روایتی طریقہ تدریس کو اپناتے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو کہ لامحالہ طور پر دوسری انتہاء پر پہنچ جاتے ہیں۔

تعلیم و تدریس کے لیے جسمانی تأدیب سے متعلق تیسری اور معتدل رائے یہ کہ والدین اور اساتذہ کو بچے کی تربیت کا مکمل حق حاصل ہے۔ اگر اس مقصد کے لیے کسی درجہ میں تأدیب کی ضرورت پیش آئے تو وہ بھی والدین یا اساتذہ استعمال کر سکتے ہیں۔ کیونکہ والدین اول اور اساتذہ دوم ان سے بڑھ کر بچے کے خیر خواہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ تأدیب کا مرحلہ سب سے آخر میں ہونا چاہیے۔ پہلے بچے کے معاشرتی مسائل کو جان کر، ان کے ذہنی اور نفسیاتی مسائل کو دیکھ کر، معاشرے کے مطالبات اور ضروریات کے مطابق اور بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق

تعلیمی ماحول بنایا جائے گا۔ جس کے بعد سکول اور گھر دونوں جگہوں پر ماحول کو حتی الوسعۃ معتدل بنائے جائے۔ اور ایسے ماحول میں بچے کی تعلیم و تربیت ہو۔ اگر اس کے باوجود بھی بچہ غلطی کرے تو پہلی مرتبہ قابلِ معافی غلطی سے درگزر کیا جائے۔ اور انعام و اکرام کے ذریعے اصلاح اور تعمیرِ سیرت کی کوشش کی جائے۔ والدین اور اساتذہ خود بچوں کے لیے اسوہ اور قدوہ ثابت ہو کر اپنے عمل سے سچ اور جھوٹ میں فرق سمجھائیں۔ اس قدر مناسب ماحول مہیا کرنے کے بعد بھی اگر تعلیم و تدریس اور تربیت کیلئے تأدیب کی ضرورت ہو تا و استاد کو غصہ ختم کر کے، انتقامی جذبے کے بغیر، مشفقانہ انداز میں تأدیب کی اجازت ہے۔ اسی طرح کی سزا سے بچوں پر منفی اثرات مرتب بھی نہیں ہونگے اور وہ آئندہ کیلئے محتاط بھی ہو جائیں گے۔ تعلیم و تدریس کیلئے جسمانی تأدیب سے متعلق دراصل یہ نظریہ اسلام پیش کرتا ہے اور دیگر مذاہب بھی اپنی حقیقت میں اس رویّے کی تائید کرتے ہیں۔

نتائجِ بحث

استاد اور مربّی قوم کا معمار ہے۔ آئندہ کی نسل اور مستقبل کے معاشرے کا مستقبل اسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ استاد کی حیثیت اس قدر حساس ہے کہ اس کی غفلت اور لا پرواہی سے پورے معاشرے میں منفی نظریات و رجحانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ استاد کے ہاتھ میں قوم کی لگام ہوتی جسے اگر زیادہ زور سے کھینچا جائے تو بچوں اور استاد کا رابطہ ختم ہو جاتا ہے اگر بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا جائے تو تربیت بہتر نہیں ہو سکے گی۔ لہذا اسلامی تعلیمات کے سنہرے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے نا تو استاد کو سزا میں شریعت کی حد سے تجاوز کرنا چاہیے اور نہ ہی حسبِ ضرورت سختی پر استاد کو موردِ الزام ٹھرایا جائے، لہذا اس بحث سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل کی جاسکتے ہیں۔

1۔ سزا سے ہر غلطی کی اصلاح ممکن نہیں ہے بعض غلطیوں کی درستی دیگر د طریقوں سے بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ عملی غلطی اور فکری انحراف میں صرف سمجھانا ہی کافی ہوتا ہے۔

2۔ سزا یا سختی کسی بھی معاملہ میں مقصود بذات نہیں ہے۔ اس لیے نا تو سزا بغیر کراہت کے جائز ہے اور نا ہی بلکل حرام ہے۔

3۔ غلطی کو اگر بار بار دہرایا جارہا ہے تو اس صورت میں مقیّد سزا اس صورت میں دی جاسکتی ہے کہ سزا سے پہلے کے سب مراحل بیکار و بے سود ثابت ہوں۔

4۔ اگر حالات و قرائن سے معلوم ہو جائے کہ مار پیٹ سے طالب علم کی اصلاح نہیں ہو گی تو ایسے طالب علم کو سزا نہیں دی جائے گی۔

5۔ انتقام کے لیے سزا ہر گز نہ ہو بلکہ دورانِ سزا بھی طالب علم سے ہمدردی کا جذبہ ہو۔ اکثر طلباء صرف غلطی کا احساس دلانے سے ہی اصلاح کر لیتے ہیں انھیں سزا دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

6۔ غلطی کے بعد اگر طلباء کی اصلاح کی جائے اور اسی وقت کچھ نصیحت بھی کر دی جائے تو کافی مفید ہوتی ہے۔

7۔ استاد جس مقصد کے لیے سزا دے اس کے حصول کا ظنِ غالب ہو اور سزا دیتے وقت مکمل احتیاط کی جائے کہ جس سے جسم کا کوئی حصہ متأثر نہ ہو۔

8۔ جسم کے کسی نازک حصے پر ضرب نہیں لگانی چاہیے، خصوصاً چہرہ وغیرہ کہ اس سے طالب علم کو تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے اور انتقامی جذبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

9۔ سزا بہر حال کسی نہ کسی درجہ میں منفی اثر بھی رکھتی ہے لہذا حتی الامکان سزا دینے سے بچنا چاہیے۔ دیگر تعلیمی مہارتوں کو استعمال کر کے طلبہ کو سمجھایا جائے۔

10۔ استاد کو اپنی شخصیت میں ایسے ایسے کمالات پیدا کرنے چاہیے کہ طلبہ استاد کی ذات سے ہی متاثر ہو کر اس کی پیروی کریں اور سزا کی نوبت نہ آئے۔

تجاویز و سفارشات

اللہ رب الکریم نے ساری دنیا کی اشیاء و نعمتیں انسان کے لیے پیدا کی ہیں اور انسان سے اس کے نفس کی اصلاح چاہی ہے کہ انسان ان سب چیزوں کو استعمال کر کے اگر اپنے نفس کو قابو کر لے اور اسے اللہ تعالیٰ کے احکام پر جھکا دے تو اسے اور اس کے لیے جن چیزوں کو پیدا کیا گیا سب کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ رب العالمین نے انسان کے نفس کی اصلاح کے لیے اپنے پاس سے وحی کے ذریعے لاریب احکام اور اصول بھی نازل فرمائے ہیں جن پر عمل کرنے سے اصلاح یقینی ہے۔ لہذا اس بحث سے تناظر میں درج ذیل سفارشات کی جاتی ہیں۔

1۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں مذہبی تعلیمات، اخلاقیات اور عرف و اقدار کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

2۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بچوں کے ماحول، علاقہ، زبان، قوم اور والدین کے پیشہ کو بھی مدّ نظر رکھنا چاہیے کیونکہ ان عوامل کا انسانی طبیعت و عادت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ تمام بچوں کے ساتھ ایک جیسا رویّہ اختیار نہیں رکھنا چاہیے۔

3۔ تعلیمی اداروں کو چاہیے کہ ایسے اساتذہ کا انتخاب کریں کہ جو تعلیم یافتہ بھی ہوں اور ہنر مند بھی تاکہ وہ دیگر تعلیمی مہارتوں سے بچوں کو تعلیم دیں۔ جسمانی سزا کی نوبت نہ آئے۔

4۔ اساتذہ کو اجازت دیں کہ وہ مخصوص طلبہ کی باز پرس، مقرر کردہ دائرہ میں رہ کر، کر سکیں۔

5۔ تمام تعلیمی ادارے مل کر بچوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے ایک جامع چاٹر ترتیب دیں جو ہمارے ملک کے زمینی حقائق پر مبنی ہو تاکہ عملی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

6۔۔ مشاہدات و تجربات سے حاصل ہونے والی معلومات کے مقابلے میں علمِ وحی اور اسلامی تعلیمات کو فوقیت ہونی چاہیے۔

7۔ قانونی اداروں کو چاہیے کہ ماہرینِ نفسیات، ماہرین تعلیم اور علماء کی کمیٹی بنائیں جو تعلیمی اداروں کے لیے تعلیمی مہارتوں اور مفید سزاؤں کا تعین کر سکیں۔

8۔ ملک میں کوئی بھی ایسا قانون نہ بنائیں جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہو۔

9۔ ملکی نظام کے کسی بھی ایسے حصے میں جہاں غیر اسلامی قوانین عمل پیرا ہیں ان پر نظر ثانی کر کے درست کرنا چاہیے۔

فہرست آیات

آیت	سورت	آیت نمبر	صفحہ نمبر
وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ---	البقرة	31	5
لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ---	//	256	23
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ---	//	179	//
كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً---	//	213	74
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا---	آل عمران	159	98
فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ---	النساء	34	25
يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ---	//	1	76
وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ---	المائدہ	2	77
مَنْ جاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثالِها وَمَنْ جاءَ---	الانعام	160	35

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا---	الاعراف	13	79
وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ---	التوبة	3	32
وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا---	النحل	126	//
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ---	//	89	97
وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ---	الحج	60	11
وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى---	//	5	61
وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ---	النور	2	29
وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا---	//	59	//
يَاوَيْلَتَا لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا---	الفرقان	28	86
وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ---	السجدة	21	34
إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ---	الفاطر	28	19
إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ---	الصافات	4	//
وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ---	//	237	78
فَحَقَّ عِقَابِ---	ص	14	10
هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ---	الغافر	67	62
وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ---	الحجرات	13	75
لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ	الصف	2	97
يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ---	الجمعة	2	20
يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا---	التحريم	6	39
أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ---	الملك	14	28
ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ	القلم	1	8

فہرست احادیث

احادیث	کتاب	صفحہ نمبر
إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَّقِ الْوَجْهَ---	سنن ابی داؤد	47
إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَذَكَرَ اللَّهَ---	جامع الترمذی	51
إِذَا خَلَوْا بِمَحَارِمِ اللَّهِ انْتَهَكُوهَا---	سنن ابن ماجہ	87
الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ---	سنن ابی داؤد	20
أَكْرِمُوا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوا أَدَبَهُمْ---	سنن ابن ماجہ	82
الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ---	مسند امام احمد بن حنبل	84
اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ---	صحیح المسلم	18
المسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ---	صحیح البخاری	95

أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ---	سنن ابی داوٗد	64
إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ---	صحیح المسلم	21
أَنَّ رَجُلًا اعْتَرَفَ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا عَلَى عَهْدِ---	مؤطا امام مالک	49
أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَ فِي أَوَائِلِ الْكُتُبِ---	احکام القرآن	9
إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا---	صحیح البخاری	103
إِنَّمَا مَثَلُ جَلِيسِ الصَّالِحِ وَجَلِيسِ---	سنن کبریٰ	85
إِنِّي لَأَضْرِبُ أَحَدَهُمْ حَتَّى يَنْبَسِطَ---	مصنف ابن ابی شیبہ	44
بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً---	صحیح البخاری	19
خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ---	صحیح البخاری	89
خَيْرُ النَّاسِ مَنْ نَفَعَ النَّاسَ---	شعب الایمان	95
رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ، عَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَفِيقَ---	سنن ابی داوٗد	59
عَلِّقُوا السَّوْطَ حَيْثُ يَرَاهُ أَهْلُ الْبَيْتِ---	المعجم الکبیر	30
فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ، لَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الحِيرَةِ---	صحیح البخاری	28
فَإِنَّ الإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي العَفْوِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ---	جامع الترمذی	12
فَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ---	مسند امام احمد بن حنبل	75
كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ	سنن ابی داوٗد	40
كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ	صحیح البخاری	39
لَأَعْلَمَنَّ أَقْوَامًا مِنْ أُمَّتِي يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِحَسَنَاتٍ---	سنن ابن ماجہ	87
لَأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ---	جامع الترمذی	40
لَا عُقُوبَةَ فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ---	فتح الباری	50
لاَ يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي---	صحیح البخاری	50
لَا يَقْضِي القَاضِي وَهُوَ غَضْبَانُ	الجامع الترمذی	46
لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا---	جامع الترمذی	27
مَا أَعْطَى أَهْلُ الْبَيْتِ الرِّفْقَ إِلَّا نَفَعَهُمْ---	المعجم الکبیر	38

مالك فَعَلْتَ كَذَا وَكَذَا---	صحیح المسلم	97
مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ---	صحیح البخاری	80
مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ---	سنن ابی داؤد	45
مُرُوهُمْ بِالصَّلَاةِ لِسَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا---	سنن دار قطنی	46
مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ---	جامع الترمذی	76
مَنْ قَالَ لِصَبِيٍّ: تَعَالَ هَاكَ ثُمَّ لَمْ يُعْطِهِ---	مسند امام احمد بن حنبل	82
وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَبًا	مسند امام احمد بن حنبل	43
هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا	صحیح البخاری	38

فہرستِ اعلام

1۔ابن العربی	محمد بن عبد اللہ الاشبیلی 1076ء میں پیدا ہو کر 1148ء میں وفات پائی۔ عظیم فقیہ، مؤرخ، مفسر اور محدث تھے، امام غزالی کے شاگرد اور فقہ مالکی سے وابستہ تھے۔
2۔ابن تیمیہ	احمد بن عبد الحلیم الحرانی 621ھ حران میں پیدا ہوئے اور 728ھ میں وفات پائی۔ حنبلی مذہب سے تعلق رکھنے والے مشہور فقیہ، محدث، منصف، فلسفی اور جامع العلوم تھے۔
3۔ابن خلدون	عبد الرحمٰن بن محمد الاشبیلی 1332ء کو تیونس میں پیدا ہو کر 1406ء میں وفات پائی۔ فقہ مالکی سے تعلق رکھنے والے مؤرخ، منصف، سیاستدان، شاعر اور ماہرِ انسانیات تھے۔
4۔ابن قیم	محمد بن ابو بکر الدمشقی 691ھ دمشق کے گاؤں زرع میں پیدا ہوئے اور 751ھ میں وفات پائی۔ فقہ حنبلی سے تعلق اور ابن تیمیہ کے خاص شاگرد تھے۔
5۔ابن ھمام	محمد بن عبد الواحد السکندری الحنفی 1388ء میں پیدا ہو کر 1457ء میں فوت ہوئے۔ فقہ حنفی کے معروف عالم اور صاحبِ فتح القدیر ہیں۔
6۔امیہ بن ابی الصلت	ابو الحکم جاہلی دور کا شاعر اور بنو ثقیف کا سردار تھا اسلام سے قبل حنفیت اور توحید میں معروف تھا۔ طائف میں

	پیدا ہوا اور وہی وفات پائی۔
7۔ جصاص الحنفی	احمد بن علی راضی احناف کے اکابرین میں شمار ہوتے ہے۔ اعلیٰ پایہ کے الٰہیات دان، فقیہ اور مفسر تھے۔
8۔ سید واضح، مولانا	ندوۃ العلماء ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ادب، صحافت اور دینی علوم میں مضبوط درک رکھنے والے عارف باللہ تھے۔
9۔ عدی بن زید العبادی	حیرہ کے رہنے والے نصرانی شاعر تھے۔ دھاۃ الجاہلیۃ میں شمار تھے۔ عربی زبان میں پہلا دیوان انھوں نے لکھا ملک شام کے سفر بھی کئے زیادہ وقت مدائن میں گزارا۔
10۔ لبید	ابو عقیل لبید بن ربیعہ قبیلہ ہوازن میں 560 میلادی کو پیدا ہوا اور 661 کو وفات پائی اسلام قبول کیا تمام اشعار زمانہ جاہلیت میں کہے اسلام قبول کرنے کے بعد صرف ایک شعر کہا۔
11۔ ماوردی	علی بن محمد الماوردی 364ھ میں پیدا ہوئے اور 450ھ میں وفات پائی۔ فقہ شافعی سے تعلق رکھنے والے مشہور فقیہ، مفسر، محدث اور ماہرِ سیاسیات تھے۔ ان کی مشہور کتاب الاحکام السلطنیۃ ہے۔
12۔ مرقش الاکبر	عمرو بن سعد بن مالک عصرِ جاہلی کا شاعر تھا۔ یمن میں پیدا ہوا اور عراق میں پروان چڑھا۔ اپنے شعری مجموعے کی وجہ سے مرقّش کہلایا۔

مصادر و مراجع

عربی کتب

الاصفہانی، ابو القاسم حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، باب علم، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز

الانبابی، شمس الدین محمد بن محمد، ریاضۃ الصبیان، بیروت، لبنان، دار البشائر الاسلامیہ، الطبعۃ الاولیٰ: 2011،

ابن ابی الدنیا، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید، کتاب العیال، دار ابن قیم السعودیہ، الطبعۃ الاولیٰ، 1990

ابن الحاج،، محمد بن محمد العبدري، المدخل، دار التراث، بدون طبعۃ

ابن خلدون، عبد الرحمان ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، اردو بازار کراچی، نفیس اکیڈمی، دسمبر 2001

ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دار ابن حزم، الطبعۃ الاولیٰ 2000

ابن قیم الجوزیہ، ابی عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب، تحفۃ المودود باحکام المولود، القاھرہ، المکتبۃ القیمۃ، 1961

ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار احیاء الکتب العربیۃ

ابن نجیم، زین الدین ابن ابراہیم، البحر الرائق شرح کنز الحقائق، دار الکتاب الاسلامی
ابن ھمام، کمال الدین بن عبد الواحد، فتح القدیر، دار الکتاب الاسلامی
ابو عبد اللہ، امام احمد بن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، باب حدیث بن معاذ بن جبل
ابو منصور، عبد الملک بن محمد بن اسماعیل، التمثیل والمحاضرۃ، الدار العربیۃ للکتاب، الطبعۃ الثانیۃ، 1981
آدم، محمد بن علی بن آدم، البحر المحیط الثجاج صحیح اللامام مسلم بن حجاج، السعودیۃ، دار ابن جوزی، الطبعۃ الاولیٰ، 1426
البابرتی، محمد بن محمد، العنایۃ فی شرح الھدایۃ، دار الفکر، 855ھ
البخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، دار السلام الریاض، مارچ، 1999
البیان، بیان بن محمد البیان، موسوعۃ احکام الطھارۃ، الطبعۃ الثانیۃ، مکتبۃ الرشد 2005، بیروت
البیہقی، احمد بن حسین بن علی، السنن الکبریٰ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثالثۃ
الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الترمذی، الریاض، دار السلام، فروری، 2000
الجصاص، ابی بکر احمد بن علی، مدخل، بیروت، دار احیاء التراث، 1992
دار قطنی، علی بن عمر، سنن دار قطنی، بیروت، دار المعرفۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 2001
الزبیدی، المرتضیٰ، اتحاف المتقین شرح احیاء علوم الدین، لاہور انار کلی، ادارہ اسلامیات
السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، الریاض، دار السلام، فروری 2009
الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، دار ابن کثیر، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ
الصنعانی، ابو بکر عبد الرزاق بن ھمام، مصنف عبد الرزاق، بیروت، المجلس العلمی، الطبعۃ الثانیۃ
الطبری، محمد بن جریر بن یزید، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ
العسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری، الریاض، دار السلام، الطبعۃ الاولیٰ 2000
الغزالی، ابو حامد محمد الغزالی، احیاء علوم الدین، کراچی، دار الاشاعت
الفراہیدی، خلیل بن احمد الفراہیدی، کتاب العین، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1383ھ
القرطبی، ابو عبد اللہ احمد بن محمد، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریۃ العامۃ للکتب
القشیری، مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، دار السلام الریاض، اپریل، 2000
الماوردی، ابی الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی، دار الارقم

المناوی، زین الدین محمد المدعو، فیض القدیر، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، الطبعۃ الاولیٰ

النووی، ابوزکریا، محی الدین یحیٰ بن شرف الدین، المجموع، بیروت، دار لفکر، 2010

اردو کتب

ارشد، عبد الرشید، پاکستان میں تعلیم کا ارتقاء، لاہور، ادارہ تعلیمی تحقیق، 1995

الحاج، مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات، لاہور، اردو مکتبہ فیروز سنز

حنیف چوہدری، انسائیکلوپیڈیا قانونی ڈکشنری، لاہور، شان بک کارپوریشن

خورشید احمد اسلامی نظریہ حیات، کراچی، کراچی یونیورسٹی، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، اشاعت 1993

سیّد احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، لوہور بورڈ، اردو سائنس، 1995

عزیز، ڈاکٹر ایم۔ اے، تعلیم اور معاشرتی تبدیلی، ملتان، کاروان ادب، 1983

علوی، ڈاکٹر خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران و تجران کتب، دعوۃ اکیڈمی، 2004

کیلانی، عبد الرحمٰن کیلانی، تیسیر القرآن، لاہور، مکتبۃ السلام

محمد نور بن عبد الحفیظ، تربیت اولاد کا نبوی انداز اور اس کے زرّیں اصول، لاہور، دار القلم

مقبول احمد، علمی اساسیات علم التعلیم، علمی کتب خانہ، لاہور 2015

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی، لغات القرآن، دہلی، ندوۃ المصنفین

ندوی، فیصل احمد، بچوں کے احکام و مسائل، ادارہ، احیائے علم و دعوت لکھنو، مکتبۃ الباب العلمیۃ، طبع اول، 2011

English Books

Chambers English Dictionary, Cambridge, new York 1988, P: 1188

Education Department Notification No. DD(M)\Child Protection\2018. Dated: Lahore the 23 January , 2018

Government of the Punjab Chief Minister's Monitoring Force School

M. Anwar Gulam, legal Dictionary with law Terms and phrases Lahore P:239

Oxford advanced Learner`s Dictionary, 8th ed. S.V. ”Education”

Pakistan penal code Article 89, Act No: XLV of 1860

The Prohibition of Corporal Punishment Bill, 2014, National Assembly of Pakistan

Websites

https:// mag.Dunya.com.pk/demo.php/feature/1029/2019-09-15

WWW.Commissioner.Coe.int.

https: //cyc-net.org/cyc/-online/cycol-0206-artical19.html

https://hamariweb.com/articles/108577#.Y2yGhfs_9ni